قصصُ الانبیاء
مِن
آیاتِ الکبریاء

جملہ حقوق محفوظ بحق مصنّف

یا اللہ جل جلالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

قصص الانبیاء
من آیات الکبریاء

مصنّف

استاذ العلماء حضرت مولانا حافظ قاری خوشی محمد صاحب نقشبندی

بانی و مہتمم مدرسہ فیض العلوم

الناشر

صاحبزادہ حافظ قاری محمد فیض احمد نقشبندی

ناظم اعلیٰ مدرسہ فیض العلوم حنفیہ نقشبندیہ - کوٹ رادھا کشن تحصیل و ضلع قصور

نام کتاب ——— قصص الانفیا من آیاتِ الکبریاء

مصنّف ——— قاری خوشی محمد نقشبندی

الناشر ——— قاری محمد فیض احمد نقشبندی

کتابت ——— ڈاکٹر غلام محی الدین ربانی خوشنویس

تعداد ——— ایک ہزار

مطبع ——— جسارت پرنٹرز لاہور

ھدیہ ——— ۲۰ روپے

ملنے کا پتہ

حافظ جنرل سٹور شیخ احسان احمد۔ دکان نمبر ۱۷
رضا مارکیٹ۔ کوٹ رادھا کشن ضلع قصور

فہرس

دیباچہ

حمد بے شمار اُس واحد و قہار، ستّار و غفّار جل شانہٗ کے واسطے جس نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اَن گنت مخلوق پیدا فرمائی۔ اور ہر ایک کے لئے اُس کے رہنے سہنے اور زندگی گزارنے کے طریقے مہیا فرمائے۔ ایک قطرۂ ناچیز سے انسان کو پیدا فرما کر اُسے اشرف المخلوقات ہونے یعنی سب خلقت سے بزرگ کا تاج پہنایا۔ اور اَن گنت نعمتوں کے ساتھ اُسے نوازا۔ جو اُس پر واجب نہ تھا محض اپنے کرم سے چھوٹی بڑی بُرائیوں اور ہر گھناؤنی چیز سے پاک انبیاء کی نوُری جماعت کو درجہ بدرجہ علوم غیبیہ سے مزّین فرما کر لباسِ بشرّیت میں انسانوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا۔ حضراتِ انبیاء کرام جو ایک لاکھ کئی ہزار تھے اپنے اپنے وقت میں تشریف لا کر مخلوقِ انسانی کو اللہ تعالیٰ کی توحید اور اپنی رسالت کی دعوت دی جن کی قسمت اچھی تھی۔ وہ ایمان لائے۔ اور دین و دُنیا کی کامیابیوں سے ہمکنار ہوئے۔ اور جو ازلی بدبخت تھے۔ اُنھوں نے انبیاء علیہم السلام کے نوُری چہروں کی زیارت کی اور بے شمار معجزات بھی دیکھے۔ پھر بھی یہی کہتے رہے۔ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا۔ یعنی تم تو ہماری مثل بشر ہو تم کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر تم میں کچھ طاقت ہے۔ تو ہم پر آسمان گرا دو۔ وغیرہ وغیرہ گستاخیوں اور بے ادبیوں کے مرتکب ہوئے۔ آخر دریائے غضب خداوندی جوش زن ہوُا۔

اور اُنہیں حرفِ غلط کی طرح صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔

بے شمار صلوٰۃ وسلام بر ذاتِ والا صفات سیّد الانس والجان رحمتِ عالمیان شافعِ روزِ جزاء احمد مجتبےٰ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم جن کا نور ساری مخلوق سے پہلے پیدا ہُوا۔ اور ظہور سب انبیاء علیہم السلام کے بعد ہُوا۔ آپؐ خاتم النبیین ہیں۔ آپؐ کے بعد قیامت تک کوئی نیا نبی نہ آئے گا۔ اور نہ ہی آسکتا ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تشریف لاکر بنی نوعِ انسان بلکہ جنّات کو ہر قسم کے اچھے اخلاق و آداب بہترین معاملات اور پاک معاشرہ کی تعلیم فرمائی۔ ماں باپ۔ بہن بھائی۔ شوہر بیوی۔ پڑوسی اور اساتذہ وغیرہم کے حقوق و آداب سکھلائے چنانچہ فرمانِ عالی شان از زبان فیض ترجمان ہے۔ (مَنْ لَّمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَلَمْ یُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا فَلَیْسَ مِنَّا) یعنی فرمایا جو بڑا ہو کر ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے۔ اور جو چھوٹا بڑوں کا ادب نہ کرے۔ وہ ہم سے نہیں۔ یعنی وہ ہمارے طریقے پر نہیں۔ پھر کروڑوں رحمتیں ہوں۔ آپؐ کی آل و اصحاب اور تمام آئمہ مجتہدین و اولیاء کاملین پر جنھوں نے اَن تھک محنت اور پُوری جانفشانی کے ساتھ بے شمار مصیبتیں جھیل کر بلکہ عند الضرورت اپنے خون کے آخری قطرہ دینے سے دریغ نہ کرتے ہوئے دینِ اسلام کو بغیر تبدیلی و تغیّر کے ہم تک پہنچایا۔ یہ اُن حضرات کا ہم پر احسانِ عظیم ہے۔ (شعر)

اولیاء کا ہے فیضان ⁖ دین اسلام دین اسلام

احقر العباد غفر اللہ الغفار

حافظ خوشی محمدؐ نقشبندی مجددی عرض کرتا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ

لوگ بڑے باادب و باحیاء تھے۔ چھوٹے بڑوں کا احترام کرتے تھے۔ اُن کے آگے نہیں چلتے تھے۔ اُن کے سامنے اُونچی آواز سے بات نہیں کرتے تھے۔ اور بڑے چھوٹوں پر نہایت شفقت و مہربانی فرماتے تھے۔ ہر ایک اپنی حیثیت کو سمجھتا اور اپنے دائرۂ اختیار کو استعمال کرتا تھا۔ مگر جُوں جُوں اسلام سے دُوری ہوتی گئی اور دُنیا علم دین سے غافل ہوتی گئی۔ حقوقِ انسانی کی پاسداری اور شرم وحیاء۔ چھوٹے بڑے کا ادب واحترام مفقود ہوتا گیا۔ آج وہ وقت آگیا ہے۔ جس کو دُنیائے پجاری اور مادیات کے دلدادہ تو ترقی کا زمانہ کہتے ہیں۔ لیکن اسلامی نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے۔ تو یہ بدتمیزی و بے حیائی اور حقوق کی پامالی کا دَور دَورہ ہے۔ چھوٹے بڑوں کا احترام نہیں کرتے اور بڑے چھوٹوں کو خاطر میں نہیں لاتے۔ مزدور مالکوں کو مالک نہیں سمجھتے۔ تو مالک بھی انہیں اپنا مزدور سمجھ کر اُن پر رحم نہیں کرتے۔ بہن بھائی ایکدوسرے کا آپس میں لحاظ نہیں کرتے۔ اولاد ماں باپ کی بے ادب ہے۔ شاگرد اپنے اساتذہ۔ مریدین اپنے پیران عظام کی گستاخیاں اور بے ادبیاں کرتے ہیں۔ غرض ہر ایک کا یہی ذہن ہے۔ کہ ہم چوں ما دیگر نیست یعنی ہمارے جیسا دوسرا کوئی نہیں۔ بے ادبی اور بے حیائی کو مسلمانوں نے اپنا شعار بنالیا ہے۔ ستم بالائے بالا ستم یہ ہے۔ کہ بعض نام نہاد شیخ القرآن و شیخ الحدیث بھی اس بے ادبی کی لعنت میں گرفتار ہیں۔ پورا زورِ علمی اسی بات پر خرچ کرتے ہیں۔ اپنی جماعت کے سوا تمام مسلمانوں کو مشرک و بدعتی کہتے ہیں۔ اور وہ آیات جو بُتوں کے رَد میں نازل ہوئی ہیں۔ بڑی بیباکی سے انبیاء، واولیاء پر چسپاں کرکے اپنے ناپاک خیال میں اُن کے پاک وجودوں کو بے اختیار و بے فائدہ۔ جاہل۔ مجبور محض ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سیدھے سادے مسلمان سُن کر کہتے ہیں کہ یہ مولوی صاحب بہت اچھے ہیں۔ کوئی جھگڑے کی بات نہیں کرتے اور نہ ہی کسی

کو بُرا کہتے ہیں۔ قرآن پاک سے باہر کوئی بات نہیں کرتے۔ اُن کم عقلوں کو یہ پتہ نہیں کہ کسی نیک عقیدہ مسلمان کو مشرک یا بدعتی کہنا۔ سب بُری باتوں سے بُری بات اور سب گالیوں سے بدترین گالی ہے۔ پھر اُس محبوبِ حق کی بے ادبی کرتے ہیں۔ جن کی بے ادبی کا خیال بھی دل میں لانے والا اسلام سے نکل جاتا ہے بعض رفقاء نے پُراسرار طور پر فقیر سے کہا کہ کچھ واقعات انبیاء و اولیاء کے قرآن پاک کی روشنی میں جمع کئے جائیں اور اُن کو چھپوا کر منظرِ عام پر لایا جائے۔ تاکہ اُن کو پڑھ کر مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ مقبولانِ خدا جل شانہ کا درگاہِ رب العالمین میں شان و مرتبت، احترام و عزّت اکرام و وجاہت کس قدر ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اِن نفوسِ قدسیہ کے ذکر کرنے کے لئے علم کی فراوانی تائیدِ ربّانی قلبِ عرفانی فصاحت لسانی کی از حد ضرورت ہے۔ مجھے اپنی کم علمی اور باقی ہر قسم کی کمزوریوں اور معذوریوں کا احساس تو ضرور ہے۔ مگر مصر کے بازار میں سُوتر کی اَٹّی والی مائی کا تصوّر دل میں رکھ کر صرف توکل علی اللہ اس میدان میں قدم رکھتا ہوں۔ اَللّٰہ و رَسُولہ مدد فرمائیں۔ اس کتاب کی ترتیب کچھ اس طرح ہے۔ کہ چونکہ تمام انبیاء علیہم السلام کے واقعات تو خداوندِ کریم نے بھی بیان نہیں فرمائے۔ پھر جن حضرات کے واقعات بیان ہوئے ہیں۔ کتاب کی ضخامت کے ڈر سے پورے بیان نہیں ہو سکتے۔ ہاں یہ کیا ہے۔ کہ بعض قصص تفصیل کے ساتھ جمع کئے ہیں۔ اور بعض کی نشاندہی کر دی ہے۔ کہ فلاں قصّہ کا ابتدائی حصّہ فلاں سپارے کے فلاں رکوع میں ہے۔ اور دوسرا حصہ فلاں پارے میں۔ اس میں آسانی یہ ہوگی کہ معمولی اُردو پڑھا ہوا بھی مترجم قرآن پاک لے کر اُن قصوں کو ہمارے بتائے ہوئے مقامات سے تلاش کر لے گا۔ مگر یہ ضرور یاد رکھیں کہ جن

مقامات کا ہم پتہ بتائیں گے۔ اُن کو تلاش کرتے وقت آپ کے ہاتھ میں تفسیر خزائن العرفان یعنی اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مترجم قرآن مجید اور اُوپر صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی کی تفسیر ہونی چاہئے۔ پھر وہ واقعات جن کی ہم نشاندہی کریں گے۔ پوری طرح آپ کی سمجھ میں آئینگے۔ ہمارے سامنے بھی بالخصوص اس وقت وہ ہی تفسیر ہے۔ جس سے استفادہ کر رہے ہیں۔ میں اس کتاب کا نام بامشورہ جناب حافظ محمد آصف علی صاحب وغیرہم کے (قصص الانبیاء من آیات الکبریاء) المعروف نصرت المفررین حصہ دوم رکھتا ہوں۔ اور اس کو مفتی ابن مفتی مجاہد اسلام شیخ القرآن والحدیث الحاج حضرت مولانا مولوی مفتی مختار احمد گجراتی صاحب کی نذر کرتا ہوں۔ اگر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔ اور اسے مفید عام وخاص بنائے۔ اور میری خطاؤں کی معافی کا ذریعہ اور آخرت کی نجات کا سبب ہو۔ آمین ثم آمین بجاہ حبیبک الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

—— ⁘ ——

تقریظ

(خطیبِ پاکستان واعظ خوش بیان قاطع بدعت بالبرہان عاشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت علامہ حاجی الٰہی بخش صاحب ایم۔ اے خطیبِ اعظم لاہور)

۷۸۶
۹۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فاضلِ جلیل، عالمِ نبیل، حضرت علامہ مولانا حافظ قاری خوشی محمد صاحب نقشبندی بانی و مہتمم مدرسہ فیض العلوم حنفیہ نقشبندیہ کوٹ۔ رادھاکشن تحصیل و ضلع قصور نے ساہا سال قرآنِ مجید کی خدمت کی ہے۔ اور یہ سلسلۂ فیض درس و تدریس کی صورت میں جاری و ساری ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی محنت کو قبول فرمائے۔ (آمین) اور انہیں اور زیادہ ہمتِ مردانہ عطا فرمائے۔ (آمین)۔ اب انہوں نے قرآن مجید سے حضراتِ انبیاء علیہم السلام کے حالاتِ زندگی اور مقدس

واقعات نہایت شستہ اور شگفتہ انداز میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

جُوں جوں قیامت قریب آ رہی ہے۔ عقائد پر قیامت آ رہی ہے۔ اور اخلاقیات کا جنازہ تو نکل رہا ہے۔ بدعقیدگی اور بدخُلقی کے جراثیم پھیل رہے ہیں۔ مگر معالجین اور مصلحین کی تعداد دن بدن گھٹ رہی ہے۔ توحید و رسالت کو اپنے، ذہنی اختراعات کے سانچوں میں ڈھالنے کی صیہونی سازش کی جا رہی ہے۔ افسوس صد افسوس انبیاء علیہم السلام کی بے ادبی کا نام توحیدِ خالص اور ان نفوسِ قدسیہ کے ادب و احترام کا نام شرکِ جلی بنایا جا رہا ہے ایسے ناپاک ذہن اور ایسے خطرناک حربے استعمال کئے جا رہے ہیں۔ خدانخواستہ قرآنِ پاک کی حفاظت کا ذمہ اگر ربّ العزت جل مجدہٗ الکریم نے خود نہ لیا ہوتا۔ تو شاید یہ قرآن کی بے شمار آیات یہود و نصاریٰ کی طرح یا بدل دیتے یا ہضم کر جاتے۔ لیکن قرآن پاک کی اس قدرتی حفاظت کے سامنے یہ بے بس ہو گئے۔ اب اور تو کچھ نہیں کر سکتے۔ اب اُنہوں نے قرآن پاک کا ترجمہ بدلنا شروع کر دیا۔ یا ترجمہ میں بے ادبی۔ گستاخی کا لب و لہجہ اختیار کیا۔ اس لئے قرآن مجید کا ترجمہ نہ ہر ایک کا پڑھنا چاہیئے نہ سننا چاہیئے جب تک یقین نہ ہو جائے کہ مترجم صحیح العقیدہ اہلسنت و جماعت ہے۔ ورنہ فائدہ کی بجائے نقصان ہو گا۔

قبلہ حافظ صاحب کی زیرِ نظر کتاب پڑھ کر مجھے از حد خوشی ہوئی

یاد نہیں ہو سکے گا۔ کسی درس میں چلا جا۔ لیکن میں نے اُن کی باتوں کی پرواہ نہ کی۔ ہاں یہ بات تھی کہ جو بزرگ قبلہ اُستاد جی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوتے تو میں اُن کے پاؤں دبایا کرتا تھا۔ خود حضرت صاحب تہجد کے وقت مسجد میں تشریف لاتے تو تمام طالبعلموں کو چھوڑ کر مجھے جگاتے اور فرماتے کہ غسل کے لئے پانی ڈالو۔ چنانچہ میں تعمیل ارشاد کر کے کبھی تو دو چار نفل پڑھ لیتا اور کبھی پھر سو جاتا۔ آپ اکثر سفر میں مجھے ساتھ لے جاتے۔ بس یہ اُن اللہ والوں کا کرم اور آپ کی توجہ تامّہ کا نتیجہ تھا کہ قرآن شریف با ترجمہ یاد ہو گیا۔ اور باقی جتنا میرا حصّہ آپ کے پاس تھا مجھے تفویض فرما دیا۔ حُسنِ اتفاق سے تعلیم کے ایّام میں چکوال شریف سے ایک بزرگ تشریف لائے جو اعلیٰحضرت شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ میں نے ان سے بیعت کر لی۔ پھر اُن کے حکم سے قبلۂ ثانی لاثانی کے دربار میں حاضر ہوا۔ ایک دفعہ نہیں متعدّد بار حاضری دی جس قدر آپ نے مجھ پر مہربانی فرمائی اور جو عطا فرمایا وہ ضبطِ تحریر میں نہیں آسکتا۔ پھر حضور قبلہ عالم قطب مدار شاہ صاحب ارمانوالی سرکار کی خدمت میں حاضر ہونے کی بھی سعادت نصیب ہوئی۔ آپ نے تو دو جملوں میں میری دُنیوی اور اُخروی زندگی کو بیان فرما دیا۔ دُعا ہے کہ اُن کے ارشاد عالی کے مطابق ہو تو پھر بندہ کو کوئی خوف و خطر نہیں۔ دُنیا اور آخرت میں امن ہی امن ہے۔ جب تعلیم سے فارغ ہوا۔ تو کچھ سال تک قبلہ اُستاذ المکرم کے ماتحت اُسی مسجد میں تعلیم قرآن کے فرائض سر انجام دیتا رہا۔ اگر ریا کاری اور غرور وغیرہ کا خطرہ نہ ہوتا تو کچھ مساجد اور تلامذہ کا بھی ذکر کرتا۔ تاہم پسر بزرگ برخوردار جناب حافظ فیض احمد صاحب جو کہ

(باقی صفحہ ۵۲ پر)

یا اللہ جل جلالہ ‏ یا رسول اللہ

خطبہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ وَ نُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم
اَلَّذِیْ وَرَدَ فِیْ شَانِہٖ کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَ
بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَؤُفٌ الرَّحِیْم وَ عَلٰی اٰلِہٖ مُطَہِّرِیْن
وَاَزْوَاجِہٖ اُمَّہَاتُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ اَصْحَابِہِ الْمُکَرَّمِیْن
وَ اَوْلِیَاءِ اُمَّتِہٖ اَلْکَامِلِیْنَ وَ عُلَمَاءِ مِلَّتِہٖ اَجْمَعِیْن
اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ۔ اَمَّا بَعْد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حضرت آدم

عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ

جو سب انسانوں کے باپ ہیں۔ اور سب سے پہلے اللہ تعالےٰ نے اِن کو زمین آباد کرنے کے لئے خلیفہ بنا کر مبعوث فرمایا۔ آپ کے خلیفہ بنائے جانے کی فرشتوں کو خبر دینا اور آپ کو ابتدا سے انتہا تک تمام مخلوق کا علم حاصل ہونا۔ اور اللہ کے حکم سے آپ کو فرشتوں کا سجدہ کرنا اور آپ کا جنّت میں داخل ہونا۔ اور شیطان کی فریب کاری اور آپ کا بہشت سے باہر آکر کئی سال تک استغفار کرنا۔ پھر نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے وسیلہ جلیلہ سے آپ کی توبہ مقبول ہونا۔ پارہ نمبر ۱ رکوع نمبر ۴ میں ہے۔ شیطان کے سجدہ نہ کرنے کی وجہ کا اللہ تعالیٰ کا اس سے دریافت فرمانا۔ اور ابلیس کا متکبرانہ جواب۔ اور خدا کی اُس پر پھٹکار۔ شیطان کا کسی بہانے جنّت میں داخل ہوکر آدم و حوا علیہم السلام کے سامنے رو رو کر خُدا کی جھوٹی قسمیں کھانا اور اُن کو منع کئے ہوئے درخت کے پھل کھانے کی رغبت دلانا۔ دونوں کا اس پھل کو کھانا۔ اور دونوں صاحبوں کے مبارک بدنوں سے جنّتی لباس کا دُور ہو جانا۔ جنّت میں ہی دونوں حضرات کا رَبَّنَا ظَلَمْنَا آخر تک۔ عرض کرکے اپنی خطا کا اقرار کرنا۔ یہ پارہ نمبر ۸ رکوع نمبر ۹ میں

ہے۔ اسی سے ملتا جلتا مضمون پارہ نمبر ۱۴ رکوع تین آیت نمبر ۳ سے شروع ہوتا ہے۔ نیز پارہ نمبر ۲۳ رکوع ۱۴ میں بھی ہے۔ پچھلے دو مقامات پر اتنا زیادہ ہے کہ سب سے پہلے خدائے تعالیٰ کی ریس کرتے ہوئے نبی آدم علیہ السلام کو بشر کہا۔ نیز یہ بھی اقرار کیا کہ میں تیرے بندوں سے ایک حصّے کو گمراہ کروں گا۔ مگر تیرے مخلص بندے یعنی انبیاء و اولیاء اُن پر میرا فریب کارگر نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ تُو نے ٹھیک کہا۔ کہ میرے خاص بندے تیرے شر سے محفوظ رہیں گے۔ اب میری بھی سُنتا جا۔ کہ مَیں تجھے اور تیرے ماننے والوں سے جہنم کو بھروں گا۔

قرآن پاک میں یہ قصّہ اتنا ہی بیان ہے۔

ضمیمہ

(صاحبزادہ حافظ قاری فیض احمد نقشبندی کی تقریر دلپذیر)

عزیزانِ گرامی۔ آپ نے آدم علیہ السلام کا نورانی قصہ پڑھا۔ آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ آپ کی کتنی شان ہے۔ تھوڑی سی جگہ باقی تھی کہ قبلہ اُستاذ المکرم نے فرمایا کہ بیٹے یہاں پر کچھ لکھ دو۔ تو ایک حدیث عرض کرتا ہوں۔ جو (بخاری شریف جلد ۲ صفحہ ۹۱۹۔ مسلم شریف جلد ۲ صفحہ ۳۲۷۔ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۳۹۷۔ پر موجود ہے۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم خَلَقَ اللّٰہُ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ ط (باقی صفحہ ۲۰ پر)

حضرت نوُح

علیہ السلام

اب قصہ حضرت نوُح علیہ السلام کا بیان ہوتا ہے۔ پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ آپ کو (ﷲ) تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے بعد پہلا مُرسل بنا کر خلقت کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا۔ آپ کا لقب آدمؑ ثانی ہے اور آپ کی شان میں یہ بھی ارشادِ خداوندی ہے۔ اِنَّہٗ کَانَ عَبْدًا شَکُوْرًا۔ (ترجمہ) بے شک وُہ یعنی نوُح علیہ السلام ﷲ کا شکر گزار بندہ تھا۔ قرآنی فرمان کے مطابق جو آپ کی ظاہرہ عمر تھی۔ اُس کا بیان پارہ نمبر ۲۰ سورہ عنکبوت کے رکوع نمبر ۲ کے شروع میں ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نہایت ہی سخت دل۔ بے رحم اور بڑی گمراہ۔ ضد پر اَڑ جانے والی۔ اور حق کو کسی قیمت پر بھی قبول نہ کرنے والی تھی۔ آپ نے اُن کو نہایت جانفشانی اور اَن تھک کوشش سے رات اور دن پوشیدہ وعلانیہ مجمعوں میں اور اکیلے اکیلے کو دین حق کی دعوت فرمائی۔ مگر ان بدبختوں نے آپ کی ایک نہ سُنی۔ یہ سارا بیان پارہ نمبر ۲۹ سورہ نوحؑ میں ہے حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تقریر کرنا اور اُن کی قوم کا آپ کو اپنی مثل بشر اور جھُوٹا اور بے عقل وغیرہا۔ گُستاخانہ الفاظ کہنا۔ نیز یہ کہنا کہ اگر تجھ میں کچھ طاقت واختیار ہے۔ تو ہم پر عذاب نازل کر۔ یہ سارا بیان پارہ نمبر ۸ رکوع نمبر ۱۵۔ نیز پارہ نمبر ۱۲ رکوع نمبر ۳ میں ہے۔ یہ تو آپ اُوپر دیباچے میں پڑھ آئے ہیں۔ کہ ﷲ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو درجہ بدرجہ علم عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنے خداداد علم سے جان لیا کہ:

قوم اور اُن کی آنے والی نسلیں ایمان لانے کی نہیں۔ تو آپ نے اُن کی بربادی کے لئے دُعا فرمائی۔ جس کا بیان پارہ نمبر ۲۹۔ سورہ نوح کے آخر میں ہے۔ چونکہ انبیاء کی دُعا رد نہیں ہوتی۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ کسی بات کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہو۔ اور یہ حضرات اُس کے متعلق عرض کرنا چاہیں۔ تو اُن کو اس سے روک دیا جاتا ہے۔ اس کی قرآن شریف میں بہت مثالیں موجود ہیں۔ صرف ایک پر اکتفاء کرتا ہوں۔ پارہ نمبر ۱۲ کے رکوع ۷ میں ہے۔ کہ ملائکہ قوم لوطؑ پر عذاب لے کر آئے۔ ابراہیمؑ نے عذاب کے ٹل جانے کی بہت کوشش فرمائی۔ یہاں تک کہ اُن کا رب جل شانہٗ فرماتا ہے۔ یُجَادِلُنَا ہم سے جھگڑنے لگا۔ حکم ہوا۔ کہ اے ابراہیم علیہ السلام (اَعْرِضْ عَنْ ھٰذَا) اس بات سے توجہ پھیر لیجئے۔ اِن پر ایسا عذاب نازل ہونے والا ہے۔ جو پھرنے والا نہیں۔ ہاں تو دُعا آپ کی قبول ہوئی۔ اور قوم کی بربادی کا وقت قریب آیا۔ تو آپ نے بحکم خُدا ایک کشتی تیار کی۔ جس میں اپنے ماننے والے چند مومنین کے سوا ہر چیز کا ایک ایک جوڑا بھی سوار کیا۔ اس کا بیان پارہ نمبر ۱۲ رکوع ۴ میں ہے۔ یہاں پر منکرین شانِ انبیاء۔ بڑے جوش و خروش کے ساتھ ایک اعتراض کیا کرتے ہیں۔ کہ اگر انبیاء کو کچھ اختیار ہوتا اور وہ کسی کو نفع پہنچا سکتے۔ اور مشکل حل کر سکتے۔ یا مشکل کشائی فرما سکتے ہوتے تو حضرت نوح علیہ السلام کا حقیقی بیٹا۔ کنعان۔ اُن کی آنکھوں کے سامنے غرق کیوں ہوتا۔ پھر جب اُنہوں نے سوال کیا کہ اے اللہ یہ میرا بیٹا میرے اہل سے تھا۔ یہ کیوں غرق ہُوا۔ حکم ہُوا۔ کہ آپ کو علم نہیں۔ یہ میرا دُشمن ہے۔ اس کے اعمال صالح نہیں تھے۔ اس لئے یہ آپ کا اہل نہیں۔ تو اس کا کیا مطلب ہے مختصر جواب عرض کرتا ہوں۔ کہ اس میں نوح علیہ السلام کے اختیار پر اعتراض نہیں ہو

سکتا۔ کیونکہ کشتی اپنے سواروں کو لے کر بھی تو باوسیلہ نوح علیہ السلام طوفان سے نجات پاکر جُودی پہاڑ پر ٹھہری تھی۔ نیز آپ نے کنعان کو کشتی میں سوار ہونے کی دعوت دی تھی۔ جس پر اُس گستاخِ رسولؑ نے کہا کہ آپ کے وسیلہ لینے سے تو یہ بہتر ہے کہ میں پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا۔ اور وہ مجھے طوفان سے بچائے گا۔ اندازہ کرو کہ اُس نے کتنی بڑی بے ادبی کی۔ ایک کشتی جس کو بحکمِ خُدا ایک نبی مُرسل نے تیار کیا۔ اور اس کے فرمان سے انسانوں کے علاوہ ہر جانور کا ایک ایک جوڑا تیار کیا۔ اور خود ملاح کشتی ہوئے۔ اُس سے ایک بے جان پتھر کو ترجیح دی۔ اور اس کی پناہ چاہی۔ جس کی پیدائش میں اُسے غرق کر دیا گیا۔ رہا یہ کہ پھر آپ نے سوال کیوں کیا۔ کہ اے اللہ میرا بیٹا میرے اہل میں سے تھا۔ تو بھائی یہ کون نہیں جانتا کہ بیٹے اور بیٹیاں اور بیبیاں سب اہل میں داخل ہوتی ہیں۔ آپ کا سوال کرنا اس وجہ سے تھا۔ کہ وہ ظاہراً مومن تھا۔ اور باطن کافروں کے ساتھ۔ دوسرا رشتے کے لحاظ سے آپ کے اہل میں سے تو تھا ہی۔ مگر اس بات کا اب تک آپ کو علم نہ حاصل ہُوا تھا۔ کہ منافق اور اعمالِ کفریہ کا مرتکب اہل سے خارج ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت ہُود

علیہ السلام

حضرت ہود علیہ السلام قوم عاد کی طرف بھیجے گئے۔ اُن کی قوم بھی بڑی سخت اور حد درجہ کی گمراہ تھی۔ مسافروں اور راہگیروں کو لوٹنے والی تھی۔ جب آپ نے اُنہیں سچے دین کی طرف دعوت دی اور نیک باتوں کا حکم دیا۔ تو انہوں نے اس کے جواب میں آپ کی اس طرح گستاخی کی۔ کہا کہ تو ہمارے جیسا بشر اور بے عقل ہے۔ اور بالکل بے اختیار ہے۔ تیرے چاہنے سے تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اگر یہ غلط ہے۔ تو ہم پر عذاب نازل کر۔ تو ہمارے معبودوں کو بُرا کہتا ہے۔ تو اُنہوں نے ناراض ہو کر تیری عقل بگاڑ دی ہے۔ یہ سارا واقعہ پارہ نمبر ۸ رکوع نمبر۱۶۔ نیز پارہ نمبر ۱۲۔ رکوع نمبر ۵۔ پارہ نمبر ۱۹۔ رکوع نمبر ۱۱۔ پارہ نمبر ۲۷۔ سورہ قمر رکوع نمبر ۲۔ پارہ نمبر ۲۹ سورہ نمبر ۳ رکوع اوّل میں ہے۔

(بقیہ حضرت صالح علیہ السلام) مویشی تھے۔ اُس نے ۹ فسادی آدمیوں کو بُلا کر ڈاچی کے مار ڈالنے کو کہا چنانچہ وُہ اس پر متفق ہو کر مشورہ کرنے لگے۔ اُن کے مشورے کا بیان پارہ نمبر ۱۹ سورہ نمل رکوع نمبر ۴ میں ہے۔ باقی سارا قصہ حضرت صالح علیہ السلام کا پارہ نمبر ۸ رکوع نمبر ۱۷۔ نیز پارہ نمبر ۱۲ رکوع نمبر ۶۔ پارہ نمبر ۱۹ رکوع نمبر ۱۲۔ پارہ نمبر ۲۷ سورہ قمر رکوع نمبر ۲ میں ہے۔

حضرت صالح

علیہ السلام

آپ نے بھی باقی انبیاء کی طرح اپنی قوم کو راہِ حق کی طرف بُلایا۔ اور آپ کی قوم نے بھی دوسری کافر قوموں کی طرح آپ کی بے ادبی اور گستاخی کرتے ہوئے یوں کہا کہ تجھ پر جادو کیا گیا ہے۔ تو ہماری طرح بشر ہے۔ تیرے اختیار میں کچھ نہیں۔ اگر تو اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہے۔ اور اُس نے تجھ کو کچھ اختیار بخشا ہے تو ہمارا ایک مطالبہ ہے۔ اسے پورا کر دے وہ مطالبہ یہ ہے۔ کہ اس ہمارے بتائے ہوئے پتھر سے ایک گابن اونٹنی برآمد ہو جو ظاہر ہوتے ہی بچہ جنے۔ بظاہر تو یہ بات نہایت ہی دشوار اور کسی بھی عقلمند کے نزدیک ممکن نہیں تھی۔ لیکن مقام انبیاء و اولیاء عقلمندوں کی عقلوں میں آنے والا نہیں ہے۔ وہ حضرات ایسے کام کر کے دکھاتے ہیں۔ جن کے ماننے سے عقلیں قاصر ہوتی ہیں۔ اور ان کاموں کے لئے ظاہراً کوئی اسباب نہیں ہوتے۔ یہ بھی یاد رہے کہ ایسے (مَا فَوْقُ الْاَسْبَابْ) جو کام ولی کرتے ہیں اُن کو کرامات کہتے ہیں۔ اور جو انبیاء علیہم السلام سے ظہور پذیر ہوں۔ معجزات کہلاتے ہیں۔ حاصل مطلب حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کا یہ مطالبہ بحکم خُدا پورا فرمایا۔ اُن کے بتائے پتھر سے گابن اُونٹنی نکلی جس نے نکلتے ہی بچہ جنا۔ چونکہ اُونٹنی بڑی قد آور تھی۔ بہت سا پانی پیتی اور سارا گھاس چر جاتی۔ جس پر باقی مویشی بھوکے۔ پیاسے رہ جاتے۔ اُس قوم میں ایک بدکار عورت تھی جس کے پاس بہت سے

(باقی صفحہ ۲۰)

حضرت لوطؑ

علیہ السلام

یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے شہر سدُوم اور اُس کے آس پاس کی بستیوں کی طرف مبعوث فرمایا۔ چونکہ وہ علاقہ سرسبز اور زرخیز تھا۔ میوے کثرت سے ہوتے تھے۔ اور آب و ہوا بھی بہت اچھی تھی۔ اس لئے لوگ دُور دراز سے اُس علاقے میں آتے تھے۔ جس سے شہر سُدوم والے بہت تنگ آ گئے۔ ابلیس انسان کا شروع سے ہی کھُلا ہُوا دشمن ہے۔ ایک بوڑھے بزرگ آدمی کی شکل میں ان کے سامنے نمودار ہُوا۔ اور کہنے لگا کہ لوگ ہر طرف سے تمہارے علاقے میں سمٹتے ہیں۔ جس کی وجہ سے تمہاری زندگی تنگ ہو چکی ہے۔ میں تمہیں ایک ایسا کام بتاتا ہوں۔ اگر تم اُسے کرو گے۔ تو لوگ خود بخود تمہارے علاقے میں آنا چھوڑ دینگے۔ وہ کام یہ ہے کہ جو نوجوان مرد تمہارے مُلک میں آئے۔ اس سے بدفعلی کیا کرو۔ چنانچہ یہ وہ بے حیائی کا کام تھا۔ جس کو اس قوم سے پہلے کسی نے بھی نہ کیا تھا۔ وہ لوگ اس فعلِ بد کے مرتکب ہوئے۔ حضرت لوطؑ علیہ السلام کا اپنی قوم کو اس گندے کام سے روکنا اور قوم کا جواب دینا۔ پارہ نمبر ۸ رکوع نمبر ۱۷۔ اور پارہ نمبر ۱۹ کی آخری آیات میں۔ اور پارہ نمبر ۲۰ کے آخری رکوع اور کچھ (پہلے) اُوپر کی آیات میں نیز پارہ نمبر ۱۲ رکوع نمبر ۷ میں ہے۔

جناب خلیل الرحمان
حضرت ابراہیم
علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام خدا کے برگزیدہ اُولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں اور جدِ انبیاء یعنی اکثر نبیوں کے دادا بھی آپ کا لقب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنا خلیل بنایا۔ آپ جس قوم کی طرف مبعوث کیے گئے۔ اُس قوم کا نمرود نامی بادشاہ تھا۔ جس کے زیرِ فرمان ساری دنیا تھی۔ تمام نمرودی سورج۔ چاند اور ستاروں کو اپنے معبود سمجھ کر اُن کو پُوجا کرتے تھے۔ آپ نے ظہور فرماتے ہی مخلوق خدا کو شرک سے منع کیا۔ اور غیر خدا کی پُوجا سے روکا۔ اور راہِ توحید کی طرف بڑے قوی اور عام فہم دلائل کے ساتھ بُلانا شروع کیا جس کا بیان پارہ نمبر ۷ رکوع نمبر ۱۵ میں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم غیب کا بیان۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی چھوٹی بڑی تمام مخلوقِ عالم کا ذرّہ ذرّہ اور قطرہ قطرہ ایک ہی نظر میں دکھا دیا۔ اور ظاہر ہے۔ جس کو آنکھ دیکھتی ہے۔ دل اُسے پہچانتا ہے۔ نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ خُدائے قدوس نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنی ساری مخلوق کا علم ایک ہی نگاہ میں عطا فرما دیا۔ دیکھو پارہ نمبر ۷ رکوع نمبر ۱۵ وَكَذٰلِكَ نُرِی (الخ) اس آیت کے ترجمہ اور تفسیر کو بغور پڑھو۔ اور انبیاء کے علمِ غیب کے منکرین کو دکھاؤ۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنی بُت پرست قوم

کے سامنے وعظ فرماتے ہوئے بتوں کا رد کرنا۔ اور اپنے پیدا کرنے والے خالق و مالک جل شانہٗ کی حمد وثنا، صفتیں بیان کرنا۔ پارہ نمبر ۱۹۔ رکوع نمبر ۹۔ آپ ہر وقت اپنی قوم کو بتوں کی پوجا سے منع فرماتے رہتے تھے۔ جو کہ آپ کا فرض منصبی تھا۔ اور اسی کام کے لئے انبیاء کو مبعوث فرمایا گیا۔ اور اُن کی نیابت میں ہر اُمت کے اولیاء (علیہم الرضوان) نے بھی یہی کام سرانجام دیا۔ چنانچہ ہر زمانے میں اولیاءؒ کی وجہ سے بے شمار مخلوق انس وجنّ راہ راست پر آئی۔ اور بُت فروش۔ بُت شکن بنے۔ آپ ہندوستان کو ہی دیکھیں۔ کہ اس میں سوائے کفر و شرک کے کیا تھا۔ اَن گِنت دیوتاؤں کی پُوجا ہوتی تھی۔ مگر اولیائے اُمت مصطفٰے علیہ التحیۃُ والثناء مثل داتا ہجویریؒ۔ خواجہ اجمیریؒ۔ صابر کلیریؒ۔ فرید الدینؒ گنج شکر وغیرہم کا یہ کرم ہے۔ کہ آج دُنیائے اسلام اس کو اسلام کا گہوارہ سمجھتی ہے۔ پھر ہم کیوں نہ کہیں۔ ؎ اولیاء کا ہے فیضان ۔:۔ پاکستان پاکستان

اب میں اصل واقعہ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ کی بُت پرست قوم نے کہا کہ اے ابراہیم علیہ السلام آج ہماری عید ہے۔ دیکھو ہم نے اپنے بُتوں کو کیسے زیب و زینت کے ساتھ سجایا ہے۔ نیز اُن کا دستور تھا وہ قسم قسم کے کھانے اور میوہ جات بُتوں کے سامنے رکھ جاتے تھے اور اپنی عید کے روز جنگل میں جا کر ناچتے کودتے اور شام کو واپس آکر وہ کھانے اور میوے اُن کے سامنے سے اُٹھا کر تبرک کے طور پر کھاتے تھے۔ اُس روز بھی یہی منظر تھا۔ انہوں نے آپ سے ساتھ چلنے کو کہا۔ آپ علیہ السلام نے ستاروں کی طرف نظر کر کے فرمایا کہ میں بیمار ہونے والا ہوں۔ اس بات سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ میں تمہارے اس بُرے شرکیہ فعل سے بیمار ہوں۔ چونکہ اُن میں علم نجوم کا دور دورہ تھا۔

وہ سمجھے کہ ستاروں کو دیکھ کر اپنی بیماری کی خبر دے رہے ہیں۔ لہذا تمام کافر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چھوڑ کر جنگل میں عید منانے چلے گئے۔ آپ نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بُت خانے کا قفل توڑا۔ اور ہاتھ میں (تبر) یعنی (کلہاڑا) لے کر سب سے بڑے بُت کو چھوڑ کر باقی تمام بتوں کو ریزہ ریزہ کر کے وہ تبر اُس بڑے بُت کے کاندھے پر رکھ دیا۔ پھر اسی طرح شرک خانے کو قفل لگا کر اپنے گھر میں تشریف لے گئے۔ یہ سارا بیان پارہ نمبر ۲۳ رکوع نمبر ۷ میں ہے۔ کافروں کا میلہ سے واپس آنا اور بتوں کی تباہی دیکھ کر غیظ وغضب میں آگ بگولہ ہو جانا۔ اور اس کام کا ذمہ دار ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ٹھہراتا پھر آپ کو دربارِ نمرودی میں بُلانا۔ اور آپ سے بُتوں کی بربادی کے متعلق پوچھنا اور آپ کا جواب میں فرمانا کہ اس بڑے بُت سے پُوچھو اور تمام مشرکین کا سر جُھکا کر نہایت شرمساری کے ساتھ کہتا کہ حضرت یہ تو بولتے ہی نہیں۔ پھر آپ کا قوم کو پھٹکارنا مشرکین کا زعم باطلہ میں آپ کے جلانے کے لئے بچہ بنانا۔ یہ سارا بیان پارہ نمبر ۱۷ رکوع نمبر ۵ میں ہے۔ دنیا میں جتنے انبیاء علیہم السلام تشریف لائے ہیں۔ سب کی کافر قوموں نے اُن کے مقابلے اور مناظرے کئے ہیں۔ اُن حضرات نے تمام معترضین کو (مُسْقِط) (مُسِقت) اور تسلی بخش جوابات دیئے۔ چنانچہ ایک دن نمرود اپنے تخت پر بڑی شان وشوکت اور ٹھاٹھ سے بیٹھا تھا۔ اُس کے پجاری وحواری ہزاروں کی تعداد میں موجود تھے۔ اُس نے ربِّ کائنات جل جلالہٗ کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مناظرے کی ٹھانی جس میں آپ نے اُس کو شکست فاش دی۔ اس کا بیان پارہ نمبر ۳ رکوع نمبر ۳ میں ہے۔ اُس مناظرہ میں آپ علیہ السلام نے نمرود سے فرمایا تھا۔ کہ میرا رب جل شانہٗ روزانہ سورج

کو مشرق کی طرف سے نکالتا ہے۔ اور تو اُسے مغرب کی طرف سے طلوع کر۔ اس پر نمرود ہکا بکا رہ گیا۔ نمرود سورج کو مغرب سے اس لئے نہ چڑھا سکا کہ وہ خدا کا منکر اور بے ایمان تھا۔ اور خداوند کریم کے مقابلے میں اپنی ربوبیت کا مُدعی تھا۔
اس کے برعکس نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ کہ ایک پیغمبر علیہ السلام جہاد فرما رہے تھے۔ سورج غروب ہونے کے قریب تھا۔ ہُود دُشمنوں کو پُوری طرح سے شکست نہیں ہوئی تھی۔ اُس نبی علیہ السلام کی دُعا سے سورج اتنی دیر تک غروب نہیں ہُوا۔ جتنی دیر تک لڑائی ختم نہیں ہوئی۔ بہت سی تفاسیر میں مرقوم (مسطور) ہے۔ کہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام عصر کے وقت خاص طور پر ذکر الٰہی کیا کرتے تھے۔ ایک دن کسی شغل کی وجہ سے وہ فوت ہو گیا۔ اور سورج غروب ہو گیا۔ آپ نے سورج کے اُٹھانے والے فرشتوں کو حکم دیا (رُدُّوْهَا عَلَیَّ) یعنی اُسے پھیر لاؤ مجھ پر۔ چنانچہ سُورج واپس آیا اور آپ نے اپنا وظیفہ پُورا کیا۔ اور پھر وہ غروب ہُوا۔ سید الانبیاء شب اسریٰ کے دُولہا علیہ التحیۃ والاثنا۔ نمازِ عصر ادا فرما کر علی المرتضےٰ شیرِ خدا۔ سارے مسلمانوں کے مولیٰ کی گود میں سرِ اقدس رکھ کر آرام فرماتے ہیں۔ جناب امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہنوز نماز ادا نہیں فرمائی تھی۔ آنکھوں سے سورج کو ڈوبتے ہوئے ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ لیکن بافتویٰ عشق۔

(ع) نمازیں گر قضا ہوں پھر ادا ہوں ÷ نگاہوں کی قضائیں کب ادا ہوں

آپ کو بیدار نہیں کرتے۔ غروب آفتاب کے بعد سرکار مدنی تاجدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ مَازاغ والی سُرمیلی آنکھوں کو از خود کھولتے ہیں۔ اور ملاحظہ فرماتے ہیں کہ شہنشاہِ ولایت منبعٔ رُشد و ہدایت مخزنِ شجاعت و سخاوت قدرے غمگین ہیں۔ سبب دریافت فرمایا۔ عرض کی جانِ ایمان عصر کی

نماز قضا ہوگئی۔ فرمایا اب کیا خیال ہے قضا پڑھو گے یا کہ ادا۔ عرض کی یا حضورؐ آپؐ کے اختیار میں ہے۔ جو نسی پڑھا دو:۔

؎ سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے ڈوبے ہوئے سورج کو اشارہ فرمایا۔ وہ فی الفور طلوع کر کے عصر کے وقت پر آکر ٹھہر گیا جناب حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز ادا فرمائی۔ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے اجازت لے کر سورج غروب ہوا۔ اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ کی طرف یوں اشارہ فرمایا ہے۔ ؎

(شعر) تیری مرضی پا گیا سورج پھرا اُلٹے قدم
تیری اُنگلی اُٹھ گئی ماہ کا کلیجہ چِر گیا

اے عزیز۔ یہ سارے واقعات خُدا کے حکم سے مقبولانِ بارگاہ کے اکرام و احترام۔ اختیار و تصرّف ثابت کرنے کے لئے ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ سُنّتِ الٰہیہ کچھ اس طرح پر ہے۔ کہ جس قدر کسی کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ اُسی قدر اُس کی آزمائش بھی بہت بڑی ہوتی ہے۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اے میرے پیارے خلیل اپنے اکلوتے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کو میری رضا کے لئے میری راہ میں اپنے ہاتھوں سے قربان کردو۔ جس کو آپ بطیبِ خاطر بجا لائے۔ اس کا بیان پارہ نمبر ۲۳ رکوع نمبر ۷ میں ہے۔ سب سے پہلے جو گھر یعنی کعبہ معظمہ جس کو آدم علیہ السلام نے بحکمِ خدا لوگوں کی عبادت کے لئے تعمیر فرمایا تھا وہ مکّہ شریف میں ہے۔ اس کا بیان پارہ نمبر ۴ کے شروع میں دیکھو۔ طوفانِ نوح علیہ السلام کے وقت وہ کعبہ آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے با تعلیمِ الٰہی اُسی جگہ دوسری دفعہ کعبہ شریف تعمیر فرمایا۔ اس کا بیان

اور تعمیر کعبہ کے بعد آپ کا شہر مکّہ کے لئے امن اور پھلوں کی کثرت اور اپنی اولاد میں سے ایک جماعت کے ہمیشہ خُدا کی فرماں بردار رہتے نیز مکہ والوں میں آخری رسول صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم مبعوث کئے جانے کی دُعا کرنا۔ یہ تمام بیان پارہ نمبر ا رکوع نمبر ۱۵ میں ہے۔ جب آپ نے بحکم خداوندی اپنی اہل کو یعنی مائی ہاجرہ اور اسمعیل علیہم السلام کو کعبۃ اللہ کے پڑوس میں آباد فرمایا۔ اُس وقت آپ کا اُن کے لئے فراخیٔ رزق۔ امن وامان کی دُعا کرنا۔ نیز یہ عرض کرنا۔ کہ اے (کہ اللہ جل شانہٗ یہ وادی جس میں مَیں نے اپنی اولاد کو ٹھہرایا ہے۔ کھیتی کے قابل نہیں۔ یہ تیرے گھر میں نمازیں پڑھیں گے۔ تُو ساری دُنیا میں سے کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے۔ تاکہ وہ دُور دراز سے سامان سفر لے کر یہاں حاضر ہوں، اور میری اولاد کی روزی کا ذریعہ ہو۔ ظاہر ہے کہ اُس وقت سے لے کر قیامت تک جتنے مرد و زن حج کے لئے گئے ہیں۔ یا جا رہے ہیں یا جائیں گے۔ یہ دعائے خلیل علیہ السلام کا نتیجہ ہے۔ جو لوگ بڑی بیباکی سے کہتے ہیں۔ کہ نبیوں اور ولیوں کی دُعاؤں سے کچھ نہیں بنتا۔ اُن کو اس پر غور کرنا چاہئے۔ اور سُنو مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث شریف میں ہے کہ فرمایا نبی کریم علیہ السلام نے کہ میں، اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کا نتیجہ ہوں۔ بھائیو ٹھنڈے دل سے سوچو کہ ایک نبی کی دُعا سے سیدالانبیاء صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم کو عطا ہوئے۔ پھر ہم کس مُنہ سے کہہ سکتے ہیں کہ دُعاؤں میں کچھ اثر نہیں۔ ہاں ایک بات ضرور ہے۔

(شعر) جیہڑے باہجھ سلام، آقا دے رَبّ اگّے عرضاں کر دے نیں
میںنوں قسم خُدا دی اُوہناں دیاں بے اثر دعاواں ہوندیاں نیں

اُوپر لکھی ہوئی دُعاؤں کا بیان پارہ نمبر ۱۳ رکوع نمبر ۱۷ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ

جل شانہ اپنے نبیوں بلکہ ولیوں کو بھی جہاں بہت سے اختیارات و تصرّفات عطا فرماتا ہے۔ انہیں مُردہ زندہ کرنے کی بھی قدرت (دیتا ہے) بخشتا ہے۔ اس قاعدے کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی یہ طاقت عطا فرمائی گئی۔ جس کا بیان پارہ نمبر۳ رکوع نمبر۳ اور آیت نمبر۳ میں ہے۔ حضرت ابراہیم یعنی اَبِ رحیم۔ مہربان باپ بڑے نرم دِل مخلوقِ خُدا پر مہربانی فرمانے والے بہت بڑے مہمان نواز تھے۔ آپ کا دسترخوان مہمانوں کے لئے ہر وقت کُشادہ رہتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ کی عادت مبارکہ تھی۔ کہ جب تک کوئی مہمان نہ آتا۔ اُس وقت تک آپ کھانا تناول نہ فرماتے۔ ایک دفعہ ایسا واقعہ ہُوا۔ کہ کئی روز تک کوئی مہمان نہ آیا۔ تو آپ نے بھی کھانا نہ کھایا۔ اچانک کچھ خُوب صورت نوجوان آپ کے دربار میں حاضر ہوئے۔ اور عرض سلام کر کے بیٹھ گئے۔ آپ قبل اِس کے کہ اُن کا حال دریافت فرماتے اور اُنہیں خوب توجہ سے دیکھتے۔ فوراً اپنے گھر تشریف لے گئے۔ اور آپ کے حرم پاک حضرت سارہ خاتون والدہ حضرت اسحاق علیہ السلام نے ایک بچھڑہ پال رکھا تھا۔ اُس کو ذبح کیا۔ اور کباب کر کے اُن کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ چونکہ وہ فرشتے تھے۔ جو شکل انسانی میں حاضر ہوئے تھے۔ اُنہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا۔ جس پر آپ دل میں کچھ سوچنے لگے۔ تو اُنہوں نے فوراً یک زبان ہو کر کہا۔ کہ حضور ڈریے نہیں۔ ہم فرشتے ہیں۔ دو باتیں لے کر حاضرِ خدمت ہوئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بڑھاپے میں ایک لڑکا جو نبی ہوگا۔ اور اُس کا نام اسحاق علیہ السلام ہوگا عطا فرمائے گا۔ دوسرا ہم قومِ لوطؑ پر عذاب لے کر آئے ہیں۔ یہ ساری کلام جو مابین ابراہیمؑ و ملائکہ علیہم السلام کے ہوئی۔ اس کا بیان پارہ نمبر۲۶ کے رکوع آخر سے شروع ہو کر پارہ نمبر۲۷ میں جا کر ختم ہوتا ہے۔

حضرت عُزیر

علیہ السلام

آپ کا شہر یروشلم کو ویران شدہ دیکھ کر تعجب سے کہنا کہ یہ کبھی پھر بھی آباد ہوگا۔ اور اُسی جگہ (۱۰۰) سو سال تک فوت ہو جانا۔ اور آپ کا لوگوں کو نظر نہ آنا۔ پھر آپ کا ایک سَو (۱۰۰) سال کے بعد زندہ ہو کر اپنی قوم میں آنا۔ اِس کا بیان پارہ نمبر ۳ رکوع نمبر ۳ آیت نمبر ۲ میں ہے۔ اس قصے کی تفسیر میں یہ بھی ہے۔ کہ آپ بیماروں کو تندرست کرتے اور نابینوں کو بینا کرتے تھے۔ نیز توراِیت کے حافظ تھے۔ جب سَو (۱۰۰) سال کے بعد زندہ ہوئے۔ تو وہ تمام معجزات آپ میں موجود تھے۔ اور آپ بدستور توراِیت شریف کو زبانی پڑھتے تھے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء و اولیأ جب قبروں میں تشریف لاتے ہیں۔ تو اُن سے اختیارات و تصرّفات و علوم سلب نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ وہ حضرات اپنے زائرین کو پہچانتے اور اُن کی سُنتے اور امداد فرماتے ہیں۔ بلکہ دُور سے پُکارنے والوں کی بھی مدد فرماتے ہیں۔ کیونکہ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رح فرماتے ہیں۔ کہ رُوح کے لئے مکان کا دُور و نزدیک ہونا یکساں ہے۔ مقبولانِ حق کے بعد از وفات اپنے ماننے والوں کی امداد فرمانے اور حاجتیں پوری کرنے کے تصوّف کی کتابوں بلکہ احادیثِ مصطفٰے علیہ السلام میں بیشمار واقعات ہیں۔ اللہ تعالیٰ حق سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت شعیب

علیہ السلام

یہ عالی جناب علیہ السلام اہل مدین کی طرف بھیجے گئے تھے جن کو اصحابِ ایکہ یعنی جنگل والے بھی کہتے ہیں۔ اِس قوم میں اور گناہوں کے علاوہ یہ بُرائیاں خصوصی طور پر موجود تھیں۔ ماپ اور تول کے وقت لوگوں سے زیادہ لینا اور کم دینا۔ یعنی ڈنڈی مارتے تھے۔ نیز جتنے راستے اُن کے علاقے کی طرف آتے تھے۔ ہر راستے پر پہرے لگاتے۔ اور جو لوگ اطراف وجوانب سے حضرت شعیب علیہ السلام کی زیارت اور آپ سے فیض یابی وطلب ہدایت کے لئے آپ کے دربار میں حاضر ہوتے۔ اُن کو بڑی سختی سے ڈرا دھمکا کر روکتے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو اِن افعالِ بَد سے منع فرمایا۔ اور راہِ توحید و رسالت کی طرف بُلایا۔ اور قوم نے اس کے جواب میں جو گستاخانہ کلمات کہے۔ ان کا بیان پارہ نمبر ۸ رکوع نمبر ۱۸ میں ہے۔ اور اسی سے مِلتا جُلتا مضمون پارہ نمبر ۱۲ رکوع نمبر ۸ میں بھی ہے۔ اس مقام پر یہ بھی ہے۔ کہ قوم نے کہا۔ اے شعیب علیہ السلام کیا تیری نماز تجھے یہی سکھاتی ہے۔ کہ ہم اپنے باپ دادا کے معبودوں کو چھوڑ کر تیرے ایک معبود کو مانیں۔ اور اپنے کمائے ہوئے مالوں میں اپنی مرضی نہ کریں۔ تو بڑا نیک بخت ہے۔ سُن اگر تیری برادری کا ہمیں خیال نہ ہوتا تو تجھے پتھروں سے سنگسار کر دیتے۔ ہمارے نزدیک تیری کوئی عزت نہیں۔ جب اُن بے ادبوں کی یہ گستاخانہ کلام اللہ تعالیٰ نے سُنی تو عذاب بھیج کر اُن کو اس طرح برباد کیا۔ کہ گویا کل کو یہاں تھے ہی نہیں۔ نیز پارہ نمبر ۱۹ سورۃ شعراء کے رکوع نمبر ۹ میں بھی ہے۔

حضرت موسیٰ کلیم اللہ

علیہ السلام

جناب حضرت موسیٰ علیہ السلام اولوالعزم رسولوں میں سے بڑے جاہ و جلال والے بارُعب رسول ہیں۔ دربار خداوندی میں آپ کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔ ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شب اسریٰ میں آپ کو چھٹے آسمان پر دیکھا تھا۔ آپ کی پیدائش مصر میں ہوئی جبکہ بہت بڑا متکبر ظالم بادشاہ فرعون مصر کا حکمران تھا۔ جو لوگوں سے اپنے آپ کو سجدہ کرواتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسےٰ علیہ السلام کو فرعون اور اُس کی قوم کی تبلیغ کے لئے مبعوث فرمایا۔ آپ علیہ السلام کی پیدائش اور بچپن کے واقعات اور آپ کے ہاتھ سے ایک قبطی کا مرجانا۔ پھر آپ کو شہر مدین شریف کی طرف تشریف لے جانا۔ وہاں پر حضرت شعیب علیہ السلام سے ملاقات اور آپ کی شادی اور بکریاں چرانا پھر حضرت شعیب علیہ السلام کی اجازت سے اپنی اہلیہ جناب صفورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ہمراہ لے کر جانب مصر آنا۔ اثنائے راہ میں کوہ طور کے مقام پر ایک خاردار درخت سے نورِ خدا کا مشاہدہ اور کلامِ خداوندی سے سرفراز ہونا۔ یہ سب بیان پارہ نمبر-۲ رکوع نمبر۴ سے لے کر رکوع نمبر۷ تک ہے۔ پھر جو مقام طور پر مابین اللہ تعالیٰ جل شانہٗ۔ موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کلام ہوئی۔ اُس کا تفصیلی بیان پارہ نمبر۱۶ رکوع ۷ کے آخر میں ہے۔ جب آپ کو فرعون کے پاس تبلیغ کے

لے جانے کا حکم ہوا۔ تو جو دعا اُس وقت آپ نے فرمائی۔ اور اپنی امداد کے لئے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنا وزیر بنانے کی خدا سے درخواست کی وہ دعا آپ کی منظور ہوئی۔ نیز آپ کو فرعون کے ساتھ نرمی برتنے کا حکم ہوا۔ یہ سارا بیان پارہ نمبر ۱۶ رکوع نمبر ۸ کے شروع میں ہے۔ آپ اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو لے کر دربار فرعونی میں پہنچے۔ اور آپ نے توحید باری تعالیٰ جل شانہٗ پر بہت زیادہ دلائل دے کر جو تقریر فرمائی۔ کہ جس سے فرعون لاجواب ہو کر رہ گیا۔ اُس کا بیان پارہ نمبر ۱۹ سورہ شعراء کے رکوع ۲ میں ہے۔ فرعون کے وزیروں کا اُس کو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جادوگروں سے مقابلہ کرنے کا مشورہ دینا۔ اور فرعون نے آدمی بھیج کر تمام اطراف کے شہروں سے بڑے بڑے نامور ستّر ہزار جادوگر منگوائے۔ جو اپنے ساتھ تین سو ساٹھ اونٹوں کا بوجھ رسیاں اور لاٹھیاں مقابلے کے لئے لائے تھے۔ یہ بیان پارہ نمبر ۹ رکوع ۴۔ نیز پارہ نمبر ۱۹۔ سورۃ شعراء رکوع نمبر ۳۔ اور پارہ نمبر ۱۶ سورہ طٰہٰ کے رکوع نمبر ۳ میں بھی ہے۔ فرعون کے سرداروں کا اس کو موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے قتل کا مشورہ دینا اور اُس کا مسلمانوں پر ظلم کرنا۔ پھر فرعونیوں پر قسم قسم کا عذاب اور اُن کا دربار کلیم اللہ میں حاضر ہو کر طالب دعا ہونا۔ اور آپ کی دعا سے عذاب کا دفع ہونا۔ پارہ نمبر ۹ رکوع نمبر ۴۔ اور نمبر ۵ میں ہے۔ فرعون اصلاً تو خدا کے وجود کا قائل ہی نہ تھا۔ لیکن قوم کو متکبرانہ انداز سے کہتا تھا۔ کہ اگر موسیٰ علیہ السلام کا کوئی خدا ہوا بھی تو وہ بہت چھوٹا ہوگا۔ (اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی) تمہارا بڑا ربّ تو میں ہی ہوں۔ یہ پُرغرور۔ بے شعور۔ ہدایت سے دُور۔ گمراہی کے نشے

ہیں چُور ایک دن اپنے وزیر ہامان بے سامان ۔ بد انجام سے کہنے لگا۔ کہ آگ جلاکر اینٹیں پکاؤ۔ اور میرے لئے ایک اُونچا محل تعمیر کرو۔ جس پر چڑھ کر میں موسیٰ علیہ السلام کے ربّ کو دیکھوں ۔ یہ ذکر پارہ نمبر ۲۰ رکوع نمبر ۷ میں نیز پارہ نمبر ۲۴ رکوع نمبر ۹ میں بھی ہے ۔ ایک دفعہ فرعون نے اپنی قوم سے کہا۔ کہ مجھے چھوڑ دو۔ میں موسیٰ علیہ السلام کو قتل کردوں۔ اس پر اُس کی قوم کا ایک آدمی جو اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھتا تھا۔ اُس نے برملا قوم کو اس بُرے فعل سے روکا اور اُن کے سامنے ایک تفصیلی تقریر فرمائی۔ جس میں اُن کو احترام انبیاء کی تعلیم فرمائی۔ اور عذاب الہٰی سے ڈرایا۔ اس کا ذکر پارہ نمبر ۲۴ کے رکوع نمبر ۸ سے شروع ہو کر رکوع نمبر ۹ تک ہے۔ شہر مکہ میں رہنے والے مسلمانوں کی طرح جب موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے بھی فرعونیوں کے مظالم سے تنگ آگئے تو اُن کو ہجرت کا حکم ہُوا۔ فرمان الٰہی ہُوا۔ کہ اے موسیٰ علیہ السلام میرے مومنین بندوں کو رات کے ایک حصے میں لے کر شہر سے نکلو۔ اور دریائے نیل سے پار لے جاؤ۔ اسرائیلی مسلمان عورتوں نے شادی میں شامل ہونے کے بہانے سے فرعونی عورتوں سے بھاری مقدار میں زیورات مانگ لئے۔ اور انہوں نے یوں اعتبار کرکے دے دیئے۔ کہ یہ غریب عورتیں مدّت سے ہماری غلامی کرتی ہیں۔ کہیں آنے جانے کی نہیں۔ آپ علیہ السلام رات کو اپنی قوم سمیت مہاجر ہوئے۔ صبح کو فرعون معہ اپنے لشکروں کے پیچھے آیا۔ یہ بیان پارہ نمبر ۱۹ رکوع نمبر ۸ میں ہے۔ جب فرعون قوم موسیٰ علیہ السلام کے قریب پہنچا۔ تو چونکہ آگے دریا اور پیچھے فرعونی ٹڈی دل لشکر تھا۔ اس لئے مسلمان بہت گھبرائے اور موسیٰ علیہ السلام سے اس کی

شکایت کی۔ جس پر آپ علیہ السلام نے بحکمِ پروردگار دریا میں اپنا عصاء مبارک
مارا۔ جس کے اثر سے پانی میں مسلمانوں کے بارہ[۱۲] قبیلوں کیلئے بارہ (۱۲) سڑکیں
بن گئیں۔ وہ کس نمونے کی تھیں۔ اِن کا ذکر پارہ نمبر ا رکوع نمبر ۶ کی آیت
وَاِذْ فَرَقْنَا الخ کی تفسیر میں کیا گیا ہے۔ اَللّٰہ جلّ جلالہ کی شانِ بے نیازی
ہے۔ کہ ایک مشرک ظالم بے دین باغی کو کئی سو سال تک حکومت و تاج
و تخت عطا کیا۔ اور تمام عمر اُس کو کوئی بیماری نہیں آئی۔ یہاں تک کہ
سر درد بھی نہیں ہُوا۔ چونکہ ہر کمالِ را زوال کے مطابق جب فرعون کی
ہلاکت کا وقت قریب آیا۔ اور وہ دریائے نیل میں غرق ہو رہا تھا۔ اُس
کی اُس وقت کی باتیں۔ اور خدائی جوابات کا بیان پارہ نمبر ۱۱ رکوع ۱۴
کے آخر میں ہے۔ اس رکوع میں یہ بھی ہے۔ کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خداداد
علمِ غیبی سے معلوم کر لیا تھا۔ کہ فرعون اور اُس کی قوم ایمان لانے کی نہیں۔ اس
لئے آپ نے دُعا فرمائی۔ کہ اے اَللّٰہ جل شانہٗ تو نے فرعون اور اُس کی
قوم کو بہت سے مال اور زینتیں عطا فرمائی ہیں۔ کہ تیرے بندوں کو گمراہ
کریں۔ میں دُعا کرتا ہوں۔ کہ ان کے مالوں کو تباہ و برباد کر دے۔ اور
اِن کے دلوں کو سخت کر دے۔ یہ بغیر عذاب دیکھے ایمان نہ لائیں۔ چنانچہ
آپ کی دُعا قبول ہوئی۔ فرعون اور اُس کی قوم کی ہلاکت کے بعد بنی اسرائیل
مُلک مصر کے حاکم ہوئے۔ قسم قسم کی نعمتیں۔ چشمے اور باغات بے شمار
خزانے۔ بہترین محلّات اُن کے قبضے میں آئے۔ آپ جانتے ہیں کہ جب
کسی بھُوکے اور غریب آدمی کو ہر قسم کے آرام و آسائش سامان ملتے
ہیں۔ تو وہ اپنے آپ سے باہر ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح بنی اسرائیل بھی مصر
کے حاکم بننے کے بعد احکامِ خداوندی اور فرمانِ موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو

پس پشت ڈالتے ہوئے حکومت و دولت کے نشے میں حرام کاریوں بلکہ کفر و شرک کی لعنت میں گرفتار ہوئے۔ مگر جیسا کہ ہر زمانے میں نیکو کاروں کی بھی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ اُن میں بھی خدا ترس۔ پاک باز آدمی موجود تھے۔ آرام و آسائش دولت و حشمت کے علاوہ اُن کی گمراہی کا ایک سبب یہ بھی ہوُا۔ کہ جن دنوں وہ فرعون کی غلامی میں تھے۔ موسیٰ علیہ السلام سے عرض کرتے تھے۔ کہ حضرت آپ کے تشریف لانے سے پہلے بھی ہم غلام تھے۔ اور اب بھی غلام ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ صبر کرو عنقریب تمہارا رَبّ تمہارے دُشمنوں کو ہلاک کرے گا۔ اور تمہیں زمین میں خلیفہ بنا کر دیکھے گا۔ کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ چنانچہ فرعون کی ہلاکت کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام بحکم پروردگار اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنا کر چالیس شب کے لئے توریت شریف لینے کے لئے کوہ طور پر تشریف لے گئے۔ جس کا بیان پارہ نمبر ا رکوع ۶۔ اور پارہ نمبر ۹ رکوع ۷ میں ہے۔ آپ کے کوہِ طور پر تشریف لے جانے کے بعد سامری کا زیورات سے ایک بچھڑا بنانا اور بنی اسرائیل کا اُس کو پوجنا۔ اور بچھڑے کا آواز کرنا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کا غصّے سے بھرا ہوُا واپس آنا۔ یہ سب ذکر پارہ نمبر ۹ رکوع ۸ نیز پارہ نمبر ۱۶ رکوع نمبر ۱۱۔ اور پارہ ۱۲ میں ہے۔ جن لوگوں نے بچھڑے کی پوجا کی تھی۔ اُن کی توبہ کس طرح قبول ہوئی۔ اس کا بیان پارہ نمبر ا رکوع ۶ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا۔ کہ اپنی قوم کے ستّر (۷۰) بڑے سرداروں کو کوہِ طور پر لاؤ۔ جو پوری قوم کی طرف سے اس شرک کرنے کی معافی مانگیں۔ چنانچہ آپ نے تعمیل ارشادِ خداوندی کی۔ اس

کا بیان پارہ نمبر ۹ رکوع ۹ میں ہے۔ اُن ستّر (۷۰) آدمیوں کا کوہِ طور پر جا کر موسیٰ علیہ السلام کی گستاخی کرنا۔ اور اُس کی وجہ سے جل کر راکھ ہو جانا۔ پھر دُعائے موسیٰ علیہ السلام سے زندہ ہونے کا بیان پارہ نمبر ا رکوع ۶ میں بھی ہے۔ بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بحکم پروردگار قوم امالکہ کے ساتھ جہاد کرنے کا فرمان دینا۔ جو کہ بیت المقدس پر قابض تھے۔ اور قوم کا جہاد سے انکار اور موسیٰ علیہ السلام کی گستاخی۔ پھر اُس بے ادبی کی سزا۔ یہ سارا بیان پارہ نمبر ۶ رکوع ۸ میں ہے۔ جب اُن کو بے ادبی کی پاداش میں ایک جنگل میں جس کا نام (تیّہ) ہے۔ چالیس سال تک حیران و پریشان رکھا گیا۔ تو اُن پر بھوک پیاس اور گرمی کا غلبہ ہُوا۔ جس کی شکایت اُنھوں نے بارگاہِ موسوی میں کی۔ چنانچہ دُعائے موسیٰ علیہ السلام اُن کی بھوک اور پیاس دُور ہوئی۔ اور سائے کا بھی انتظام ہو گیا۔ اس کا بیان پارہ نمبر ا رکوع ۶ کے آخر میں اور رکوع نمبر ۷ کے شروع میں نیز پارہ نمبر ۹ رکوع ۱۰ میں ہے۔

نوٹ :۔ یہاں تک جو واقعات بیان ہوئے ہیں۔ اُن کا اجمالی خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ دیباچے میں بھی عرض کیا ہے۔ دوبارہ گزارش کرتا ہوں۔ کہ قارئین کرام ان کے حوالہ جات کو تلاش کرتے وقت ترجمہ اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان بریلوی جس کے اُوپر تفسیر مولانا نعیم الدین مراد آبادی کی ہے۔ اُس کا نام خزائن العرفان ہے۔ اُسے اپنے سامنے رکھیں۔ اب کچھ واقعات تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہوں۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

تفصیلی واقعہ

نمبر ۱

حضرت موسیٰ و خضر علیہم السلام کی ملاقات کا بیان

یہ بات تو عقیدے میں داخل ہے۔ کہ ہر نبی اپنے درجات کے مطابق بہت بڑے علم کا مالک ہوتا ہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جن کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف عطا ہوا۔ اور آپ کو توریت عطا ہوئی جس کے متعلق ارشادِ خداوندی ہے۔ آیت وَ تَفْصِيلَ لِّكُلِّ شَيْءٍ۔ یعنی توراہت شریف میں ہر چیز کا تفصیلی بیان ہے۔ سوچو کہ اُن کے علم کا کیا مقام ہوگا۔ آپ علیہ السلام نے ایک دن اپنی قوم کے سامنے بڑا فصیح و بلیغ وعظ فرمایا۔ جس میں بے شمار حقائق و معارف اَن گنت نکات بیان فرمائے۔ آپ کے ایک غلام نے عرض کیا۔ کہ حضور والا شان علیہ السلام آپ کی مثل آج رُوئے زمین پر کوئی عالم نہیں۔ چونکہ مخلوقِ خدا کے لئے اُس وقت آپ اور آپ کے بھائی علیہم السلام کے سوا کوئی اور نبی دُنیا میں نہیں تھا۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ ہاں بے شک اللہ تعالےٰ نے مجھے اپنے فضل سے بہت بڑے علم کا مالک کیا ہے۔ اُسی وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمانِ الٰہی ہوا۔ کہ اے موسیٰ علیہ السلام ہمارا ایک بندۂ خاص اس دُنیا میں ہے۔ جس کو ہم نے اپنے خاص علم سے نوازا ہے۔ ہماری رحمتیں اور برکتیں اُس پر بے شمار ہیں۔ اب مقامِ غور ہے کہ آپ باوجود نبی صاحب توراہت و کلیم اللہ ہونے کے اس بندۂ خاص کی زیارت کا پختہ

ارادہ فرماتے ہیں۔ اور اللہ کے دربار میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ میں تیرے خاص بندہ کی ملاقات کرنی چاہتا ہوں۔ مجھے اُس کا نام اور پورا پتا بتا۔ ثابت ہُوا۔ کہ اللہ کے بندوں کی زیارت کا ارادہ کرنا۔ اور اُس کے لیئے رختِ سفر باندھنا۔ اور جاکر اُن سے فیوض وبرکات حقائق ومعارف کا حاصل کرنا۔ سنّتِ کلیم اللہ علیہ السلام اور مرضیٔ ربّ ذوالجلال والاکرام کے مطابق ہے۔ جو لوگ نبیوں اور ولیوں کے پاس جانے سے منع کرتے ہیں۔ بلکہ شرک کہتے ہیں۔ یہاں تک لکھ دیا ہے۔ کہ جو شخص کسی جگہ سے با ارادہ زیارت گنبدِ خضریٰ مدینہ طیبہ میں حاضر ہو۔ تو اُس نے شرک کیا۔ ایسے گستاخوں کو اس قرآنی واقعہ سے عبرت پکڑنی چاہیئے۔ اگر یہ سفر ناجائز ہوتا تو آپ کو اجازت کیوں دی جاتی۔ حکم ہُوا۔ کہ اُس ہمارے برگزیدہ بندے کا نام حضرتِ خضر علیہ السلام ہے۔ وہ آپ کو دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ پر ملے گا۔ جب تم اُس کی ملاقات کی جگہ پر پہنچو گے۔ تو پہلی برکت اُس کی یہ ہوگی۔ کہ آپ کے پاس بھُونی ہوئی مچھلی جو ہوگی۔ وہ زندہ ہوکر دریا میں داخل ہوجائے گی۔ پس سمجھ لینا کہ وہ بندۂ خاص اسی جگہ ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنے خادم یُوشع بن نوُن کو اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ اور کچھ روٹیاں اور ایک مچھلی بھُون کو توشہ دان میں رکھ کر سفر شروع کیا۔ جس کو قرآن شریف پارہ نمبر ۱۵ کے رکوع آخر میں یوں بیان کیا۔

(قرآن پاک آیت) وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓی اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا ۝

(ترجمہ) یاد کرو اے محبوب علیہ السلام اُس وقت کو جبکہ سفر شروع کرتے وقت

موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے فرمایا۔ کہ میں نہ ٹھہروں گا یہاں تک کہ دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ تک پہنچ جاؤں۔ یا مدتوں چلتا رہوں یعنی فرمایا۔ ہمارے سفر کی انتہا مجمع البحرین ہے۔ راستے میں ہم کہیں بھی قیام نہیں کریں گے۔ چاہے مدتوں چلنا پڑے۔ سبحان اللہ بندۂ خدا کی زیارت کا کتنا شوق ہے۔ پھر سفر بھی پاپیادہ۔ اونٹ گھوڑا۔ خچر وغیرہ اُس وقت کی سواریاں تھیں۔ اُن میں سے کسی کو بھی ساتھ نہیں لیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ نے آنے والی نسلوں کو یہ سبق دیا۔ کہ اپنے علم و تقویٰ و نیک اعمال پر نازاں ہو کر اولیاء اللہ سے بے نیاز نہ ہو جانا۔ بلکہ نہایت عقیدت مندی عاجزی و انکساری کے ساتھ پیدل چل کر اُن کی زیارت سے مشرف ہو کر اُن سے فیض یاب ہونا۔ کاش کہ گستاخانِ انبیاء و اولیاء اس واقعہ کو بغور پڑھتے اور سبق حاصل کرتے۔ الغرض آپ سفر کی تکلیفوں کو برداشت کرتے ہوئے منزلِ مقصود پر جا پہنچے۔ جس کو قرآنِ پاک نے یوں بیان فرمایا ہے۔

(قرآن پاک) فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ٥ (ترجمہ) پس جب پہنچے دونوں حضرات دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ پر تو بھول گئے اپنی مچھلی کو۔ تو پکڑا اُس بھونی ہوئی مچھلی نے اپنا خشک رستہ دریا میں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب دونوں صاحب وعدۂ ملاقات خضر علیہ السلام کی جگہ پر پہنچے۔ تو سفر کی تھکان اُتارنے کے لئے ایک پتھر پر سو گئے۔ حضرت یوشع بن نون تو قریباً جاگتے ہی رہے۔ انہوں نے دیکھا کہ اُن کی بھونی ہوئی مچھلی زندہ ہو کر تھیلے سے نکلی اور دریا میں داخل ہو گئی۔ اور پانی نے اُس کے لئے خشک

رستہ بنا دیا۔ جب موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے۔ تو خادم کو مچھلی کا زندہ ہو کر دریا میں چلا جانا۔ عرض کرنا بھول گیا۔ اور آپ نے بھی شوقِ زیادت دلی کے خیال میں فوراً سفر شروع فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

(قرآن پاک) فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ○ (ترجمہ) پس جب وہ دونوں اُس جگہ سے آگے نکل گئے۔ تو اپنے خادم کو فرمایا۔ ہمارا صبح کا ناشتہ لا۔ کہ ہمیں اس ہمارے سفر سے بہت محنت کا سامنا ہُوا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قدرت خداوندی سے یوں ہُوا۔ کہ پہلے سفر میں آپ کو بھوک اور پیاس اور کوئی خاص تھکاوٹ محسوس نہیں ہوئی۔ کیونکہ آپ خدا کے برگزیدہ بندے کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔ جب اُس کا علاقہ خاص چھوڑ کر آپ آگے نکل گئے۔ تو حکمِ خدا سے بھوک نے آپ پر غلبہ کیا۔ جو کہ آپ کے واپس اپنے جائے مقصود پر آنے کا سبب ہُوا۔ آپ نے اپنے خادم یُوشع بن نُون سے جب صبح کا کھانا طلب فرمایا۔ تو اُس کو مچھلی کا زندہ ہو کر دریا میں داخل ہونا یاد آیا اور آپ کے سامنے عُذر کرنے لگا۔ اُس کو قرآن شریف نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

(قرآن شریف) قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّىْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ عَجَبًا ○

(ترجمہ) خادم نے عرض کیا۔ کہ اے موسیٰ علیہ السلام کیا آپ نے دیکھا ہے کہ جب ہم نے پتھر پر آرام کیا تھا۔ اُس وقت میں نے بیدار ہو کر دیکھا تھا۔

کہ مچھلی زندہ ہوکر دریا میں داخل ہو رہی ہے۔ اور اُس کے لئے پانی میں خشک رستہ بنتا جا رہا ہے۔ اور مجھے شیطان نے بھلا دیا۔ کہ میں اس واقعہ کا آپ سے ذکر کروں۔ یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔
(قرآن شریف) قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ۝ (ترجمہ) کہا موسیٰ علیہ السلام نے یہی تو وہ جگہ تھی جس کے لئے ہم نے اتنا لمبا سفر کیا۔ پس پھرے دونوں اوپر قدموں اپنوں کے نشان دیکھتے ہوئے۔ اور پھر اُسی جگہ آ پہنچے۔ دیکھا کہ جہاں سے مچھلی داخل ہوئی تھی اور اُس کے لئے خشک رستہ بنا تھا۔ وہ ابھی تک اُسی طرح موجود ہے۔ آپ بھی اُسی رستے سے دریا میں داخل ہو گئے۔ جب اُس کی تہہ میں پہنچے۔ تو قدرتِ الٰہیہ کا نظارہ کیا۔ کہ چاروں طرف پانی ہے اور بیچ میں خشک جگہ ہے۔ جس پر وہ برگزیدہ بارگاہِ ربّ ذوالجلال بندہ باکمال جناب خضر علیہ السلام چادر اوڑھے ہوئے آرام فرما رہے ہیں۔ آپ نے اُن کو سلام کیا۔ اُنہوں نے جوابِ سلام دے کر پوچھا۔ تم کون ہو۔ فرمایا۔ جی موسیٰ علیہ السلام ہوں۔ اُنہوں نے فرمایا۔ کہ وہی موسیٰ ہو جو بنی اسرائیل کے نبی صاحب توراۃ ہیں۔ فرمایا۔ بیشک میں وہی موسیٰ علیہ السلام ہوں۔ قرآن شریف اس مکالمہ کو یوں بیان فرماتا ہے۔
(قرآن پاک) فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝ (ترجمہ) پس پایا اُس نے اُس جگہ ایک بندہ ہمارے خاص بندوں میں جس کو ہم نے اپنے پاس سے بڑی رحمت اور محض اپنے کرم سے بڑا علم عطا فرمایا تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے جناب موسیٰ علیہ السلام سے دریافت

فرمایا۔ کہ حضور آپ نے یہاں تشریف لانے کی کس لئے تکلیف گوارہ فرمائی۔ اپنا دلی مقصد بیان فرمایئے۔ جو جواباً آپ نے فرمایا۔ دیکھو قرآن پاک میں۔ آیت۔ قَالَ لَهٗ مُوْسٰی هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓی اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ۝ (ترجمہ) کہا موسیٰ علیہ السلام نے واسطے خضر علیہ السلام کے کیا میں آپ کی اتباع کروں اس بات پر کہ آپ مجھے تعلیم دیں۔ اُس سے جو آپ کو محض کرم سے بھلائی کی تعلیم دی گئی ہے۔ یعنی میرا یہاں آنے کا مقصد یہ ہے۔ کہ آپ اپنے علم خاص سے کچھ مجھے بھی سکھلا دیں۔ اس پر جناب خضر علیہ السلام نے فرمایا۔ آیت۔ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰی مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ۝

(ترجمہ) کہا خضر علیہ السلام نے کہ بے شک تو میرے ساتھ صبر کرنے کی طاقت نہیں رکھے گا۔ اور تو صبر کس طرح کر سکتا ہے۔ اُوپر اُس بات کے کہ نہیں گھیرا۔ اُس کو تیرے علم نے۔ یعنی آپ نے فرمایا۔ کہ اس میں شک نہیں۔ کہ آپ کلیم اللہ صاحب تورایت اور بڑے منصب والے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے جو علم مجھ کو عطا فرمایا ہے۔ اُس تک آپ کی رسائی نہیں۔ اس لئے جب آپ ہمارے ساتھ چلیں گے۔ اور اپنے علم کے خلاف ہم سے کوئی واقعہ دیکھیں گے۔ تو فوراً اعتراض کریں گے۔ اس پر اس کا جواب دیا۔ وہ یہ ہے۔ آیت۔ قَالَ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِیْ لَكَ اَمْرًا ۝ (ترجمہ) کہا موسیٰ علیہ السلام نے قریب ہے کہ پائے گا تو مجھ کو انشاء اللہ صبر کرنے والا۔ اور نہ بے فرمانی کروں گا تیری میں کسی بات میں۔ یہ سُن کر حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا۔ آیت

قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْئَلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰۤی اُحْدِثَ لَکَ مِنْهُ ذِکْرًا ۝ (ترجمہ) کہا۔ اچھا اگر آپ ضرور میرے ساتھ تشریف لے چلتے ہیں۔ تو یہ بات خوب ذہن نشین کر لو۔ کہ اثنائے سفر میں جو واقعات مجھ سے ظہور پذیر ہوں۔ اُن میں سے کسی کے متعلق بھی مجھ سے سوال نہ کرنا یہاں تک کہ میں خود اُس کی حقیقت آپ کو بتا دوں۔ یہ عہد و پیمان کر کے دونوں صاحبان چل پڑے۔ چلتے چلتے ایک دریا پر پہنچے۔ کشتی چھوٹنے کو تھی ملّاحوں نے اپنی صفائی قلب اور نظرِ حقیقت بیں سے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا۔ دونوں حضرات کو بڑے ادب و احترام کے ساتھ کشتی میں مفت سوار کیا۔ جب کشتی عین بیچ دریا کے پہنچی۔ تو حضرت خضر علیہ السلام نے اُس کے ایک دو تختے اُکھاڑ دیئے۔ مگر قدرتِ خداوندی اور آپ کے معجزے کی برکت سے کشتی میں پانی بالکل داخل نہ ہُوا۔ اِس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ کہ حضرت یہ عجیب بات ہے۔ کہ ان ملّاحوں نے تو ہم کو بغیر کرائے کے بصد تعظیم و تکریم سوار کیا۔ اور آپ ان کے اس احسان کا یہ بدلہ دیتے ہیں کہ سارا بیڑا ہی غرق کرنے لگے ہیں۔ یہ تو آپ ایک بُری چیز لائے ہیں۔ یہ سُن کر خضر علیہ السلام نے فرمایا۔ جناب عالی۔ وہی بات ہوئی نا میں نے اپنے خداداد علم سے۔ (آیت) قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ۝ (ترجمہ) کیا آپ کو یہ نہیں کہا تھا۔ کہ آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکیں گے۔ اِس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے۔ (آیت) قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ وَلَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا ۝ (ترجمہ) کہا۔ کہ میری اس بھول پر مجھ پر گرفت نہ فرمایئے گا۔ اور میرے اِس کام سے مجھ پر سختی نہ کیجئے گا۔ (آیت) فَانْطَلَقَا حَتّٰۤی اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا

فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا ۝ (ترجمہ) پھر دریا سے پار جا کر چلنے لگے تو راستے میں ایک خوب صورت اُٹھتی جوانی والا ایک لڑکا ملا۔ جس کو حضرت خضر علیہ السلام نے گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔ یہ دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام سے نہ رہا گیا۔ اور فرمایا۔ کہ حضرت آپ نے ایسے نفس کو ناحق قتل کیا ہے۔ جس کے ذمّہ قصاص وغیرہ کوئی گناہ نہیں تھا۔ یہ تو آپ نے بہت بُری چیز کی ہے۔ یہ سُن کر حضرت خضر علیہ السلام۔ (آیت) قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ (ترجمہ) بولے کہ حضور میں نے آپ کو سفر کے شروع میں ہی یہ خبر نہیں دے دی تھی۔ کہ آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکیں گے۔ اس کے جواب میں جناب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ میں نے آپ سے کوئی بات نہ پوچھنے پر قسم تو نہیں کھائی تھی۔ صرف انشاء اللہ کہا تھا۔ اچھا جو ہُوا سو ہُوا۔ اِس کی معافی چاہتا ہوں۔ آئندہ (آیت) قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ۝ (ترجمہ) کہا موسیٰ علیہ السلام نے کہ اگر میں آپ سے اب اس کے بعد کسی چیز کے متعلق سوال کروں تو مجھے اپنی صحبت سے علیحدہ فرما دینا۔ بیشک آپ کو میری طرف سے ثبوت فراہم ہو گا۔ مجھے آپ پر کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ (آیت) فَانْطَلَقَا حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِ ۨاسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ۝ (ترجمہ) پس چلے یہاں تک کہ آئے ایک بستی والوں کے پاس۔

اور کھانا طلب کیا اُن سے۔ پس انکار کیا اُنہوں نے اس بات سے کہ ضیافت کریں اُن کی۔ پس پایا بیچ اُس بستی کے ایک ایسی دیوار کو جو گرا چاہتی تھی۔ پس سیدھا کیا اُس کو۔ کہا۔ اگر چاہتا تُو تو البتہ پکڑتا اُوپر اُس کے اُجرت۔ (خلاصہ) دونوں حضرات چلتے ہوئے ایک بستی کے قریب عین مغرب کے وقت پہنچے۔ اُس بستی کے رہنے والوں کا یہ بہت بُرا رواج تھا۔ کہ سورج کے غروب ہوتے ہی دروازہ بند کر لیتے تھے۔ کہ کوئی مہمان یا مُسافر بستی میں داخل نہ ہو۔ یہ دونوں حضرات بستی کے دروازے کی چوکھٹ پر پہنچ کر اہلِ بستی کو پکارنے لگے۔ کہ اے اللہ کے بندو ہم دُور دراز سے سفر کی مصیبتیں جھیلتے ہوئے۔ تھکے ماندے آپ کی بستی میں آئے ہیں۔ خُدا کے لئے دروازہ کھولو۔ اور ہمیں اندر آنے دو۔ نیز ہمارے کھانے کا انتظام کرو۔ بستی والوں نے جواب دیا۔ کہ واہ حضرت آپ ہم سے کھانے کی اُمید رکھتے ہیں؟ ہم نے تو جب سے یہ بستی آباد کی ہے۔ کسی مہمان یا مسافر کو پانی کا گھونٹ تک نہیں دیا۔ ہم دروازہ کھول کر اپنے قدیمی قانون کی خلاف ورزی کر کے جُرم کا ارتکاب نہیں کرنا چاہتے۔ اگر آپ نے لامحالہ ہماری بستی میں داخل ہونا ہی ہے۔ تو تمام رات اسی طرح چوکھٹ پر گزارو۔ صبح کو ہم اپنے قانون کے مطابق سورج نکلنے کے بعد دروازہ کھولیں گے پھر داخل ہو جانا۔ سبحان اللہ جو بڑے ہوتے ہیں۔ اُن کے حوصلے بھی بہت بلند ہوتے ہیں۔ یہ دونوں حضرات۔ آپ جانتے ہی ہیں۔ کہ کتنی طاقت کے مالک ہیں۔ مگر با ایں ہمہ۔ مخلوقِ خُدا پر رحم فرماتے ہوئے۔ تمام رات بھُوکے اور پیاسے دروازے کی چوکھٹ پر گزارتے ہیں۔ صبح کو جب دروازہ کھُلا۔ تو بستی میں داخل ہوئے۔ تو ایک جگہ ایک ایسی دیوار کو دیکھا۔ جو بہت پُرانی

ہونے کی وجہ سے گرنے کے قریب تھی حضرت خضر علیہ السلام نے ہاتھ مبارک کے اشارے سے اُسے سیدھا کر دیا۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ کہ حضور والا۔ ان بدبختوں نے بجائے اس کے کہ ہماری خاطر و مدارات کرتے۔ ہمیں بستی میں بھی نہیں داخل ہونے دیا۔ اور آپ ان کی دیواریں بنا رہے ہیں۔ اگر آپ نے یہ دیوار بنانی ہی تھی۔ تو اس کی کچھ مزدوری اُن سے لے لیتے۔ جس سے ہم کچھ کھانے پینے کی چیزیں خرید کر اپنی بھوک و پیاس بجھا لیتے۔ خضر علیہ السلام نے جواب دیا۔ کہ اے موسیٰ علیہ السلام آپ کا فرمان پورا ہوا۔ یہ آپ کا تیسرا سوال ہے۔ اور دُنیا کا بھی اصول ہے۔ کہ بات تین پر ختم ہوتی ہے۔ لہٰذا هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ میری اور آپ کی جدائی کا یہ وقت ہے۔ اب میں اُن تینوں واقعات کی آپ کو حقیقت بتائے دیتا ہوں۔ جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔ (آیت) أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدْتُّ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَّلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ۝ (ترجمہ) پہلا واقعہ کشتی پھاڑنے کا تھا۔ سنو اس کشتی کے مالک دس مسکین تھے۔ جن میں سے پانچ تو اپاہج اور بیمار تھے۔ اور باقی پانچ اُس کو دریا میں چلا کر کمائی کرتے تھے۔ جس پر اُن سب کی گزران تھی۔ اُس دریا کے کنارے ایک ایسا ظالم بادشاہ آ رہا تھا۔ جو ہر صحیح اور سالم کشتی کو غاصبانہ طور سے چھینتا تھا۔ میں نے اُس میں شگاف کر دیا۔ کہ وہ ظالم اسے عیب دار سمجھ کر چھوڑ دے۔ اور ہوا بھی ایسا ہی۔ کہ اُس کشتی کو اُس نے نہ چھینا۔ اے موسیٰ علیہ السلام اگر انہوں نے ہمارا احترام کیا۔ تو ہم نے اُس کا بدلہ

دیتے ہوئے۔ اُن کی زندگی بھر کی خوراک و لباس وغیرہ کا انتظام فرمایا۔
اب واقعہ ثانی لڑکے کا قتل ہے۔ اُس کے متعلق سنو۔ (آیت) وَاَمَّا
الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا
طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا
مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ۝ (ترجمہ) اے پر وُہ لڑکا پس
تھے۔ ماں باپ۔ اُس کے مومن پس ڈرے ہم اس بات سے کہ کھینچے وُہ
اُن دونوں کو سرکشی اور کفر میں۔ پس ارادہ کیا ہم نے اس بات کا کہ
بدل دے واسطے اُن دونوں کے ربّ اُن کا بہتر اُس سے اولاد پاک اور
بہت قریب رحم کرنے میں یعنی اُس لڑکے کی تمام زندگی کا ربّ کی عطا سے
ہمیں علم تھا۔ کہ وہ بڑا ہو کر ساری زندگی کُفر و شرک میں گزارے گا۔
اور یہ بھی ہم جانتے تھے۔ کہ اس کی موت بھی کُفر پر ہوگی۔ نیز ہمیں یہ بھی
معلوم تھا۔ کہ اس کے ماں باپ رہتے ہیں اور وہ دونوں زندہ بھی ہیں۔
اور ہیں بھی پکّے مومن۔ ہمیں اس بات کا خوف ہوُا۔ کہ یہ بڑا ہو کر اُن
کو کُفر کی طرف دعوت دے۔ اور وُہ کہیں اُسے اپنا لختِ جگر نُورِ نظر
سمجھتے ہوئے کُفر کی طرف مائل نہ ہو جائیں۔ چنانچہ ہم نے اس قاعدے
کے مطابق اُقْتُلُوا الْمُؤْذِيْ قَبْلَ الْاِيْذَا۔ یعنی مُوذی
کو اُس کے ایذا دینے سے پہلے قتل کر دو۔ اُس کو قتل کیا چنانچہ تفسیروں
میں لکھا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اُن کو ایک لڑکی عطا فرمائی۔ جو ایک
پیغمبر کے نکاح میں آئی اور اُس کے پیٹ سے بہت سے پیغمبر پیدا ہوئے۔
(آیت) وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ
وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا

فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ۭ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝ (ترجمہ) اور پر دیوار بس تھی وہ واسطے دو لڑکوں کے بیچ شہر کے اور تھا نیچے اُس کے خزانہ واسطے اُن دونوں کے اور تھا باپ اُن کا نیک۔ پس ارادہ کیا رَبّ تیرے نے یہ کہ پہنچیں وہ دونوں اپنی جوانی کو، اور نکال لیں وہ خزانہ اپنا تیرے رَبّ کی رحمت سے اور نہیں کیا میں نے اس کو اپنی مرضی سے یہ حقیقت ہے۔ اس کی کہ نہیں صبر کر سکا تُو اوپر اُس کے۔ خلاصہ یہ ہے کہ خضر علیہ السلام نے فرمایا۔ وہ شکستہ دیوار جس کو ہم نے درست کیا۔ وہ اِس شہر کے دو نابالغ بچوں کی ملکیّت ہے۔ اُن کا باپ ایک ولی کامل تھا۔ اُس نے اس دیوار کے نیچے بہت سا مال دفن کیا۔ اور اپنے وصال کے وقت یہ دُعا کی۔ کہ الٰہی میں اپنے دو ننّھے بچوں کو تیری حفاظت میں دیتا ہوں۔ اُن کا اور جو مال میں نے اُن کے لئے دفن کیا ہے۔ تُو ہی حافظ و نگہبان ہے۔ اللّٰہ تعالیٰ نے اُس کی دُعا قبول فرمائی اور مجھ کو اُن کا محافظ مقرر کیا۔ اس ڈر سے کہ دیوار گر جائے اور خزانہ ظاہر ہو۔ اور لوگ لے جائیں۔ ہم نے اُس کو قائم فرما دیا۔ مجھے خُدا کے فضل سے معلوم ہے۔ کہ یہ دونوں جوانی کو پہنچیں گے۔ اُس وقت اگر کسی طریقے سے ہم ان کو اس خزانے کی نشاندہی فرما دیں گے۔ اے موسیٰ علیہ السلام یہ کام ہم نے اپنی مرضی سے نہیں کئے۔ مرضی خدا اسی طرح تھی۔ اچھا یہ حقیقت تھی اُن واقعات کی جن پر آپ سے صبر و ضبط نہیں ہو سکا۔ یہ فرمایا۔ اور موسیٰ علیہ السلام سے جُدا ہو گئے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام

سوال نہ فرماتے۔ تو خضر علیہ السلام سے بے شمار عجیب و غریب واقعات ملاحظہ فرماتے۔ یہ بات مانی ہوئی ہے کہ اللہ کے بندے مخلوقِ خُدا کی خیر خواہی کے لئے ہی تشریف لاتے ہیں۔ ان واقعات میں کس قدر خلقِ خُدا کے فائدے پوشیدہ تھے۔ یہ حضرات جو کرتے ہیں۔ اُس کی مرضی سے کرتے ہیں۔ جو بولتے ہیں۔ اُس کے حکم سے بولتے ہیں۔ صحاح ستّہ کی حدیث شریف میں ہے۔ کہ ربِّ کریم نے فرمایا کہ جب میرا بندہ عبادت کرتا کرتا اس قدر بڑھ جاتا ہے۔ کہ اپنے نفس کو فنا کر دیتا ہے۔ اور میرا قُرب حاصل کر لیتا ہے۔ تو میں اُس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے۔ اور میں اُس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے۔ میں اُس کے کان بن جاتا ہوں۔ جس سے وہ سُنتا ہے۔ اور میں اُس کے پاؤں بن جاتا ہوں۔ جن سے وہ چلتا ہے۔ یعنی بظاہر کام اُس سے صادر ہوتے ہیں اور قدرت میری ہوتی ہے۔ (نوٹ) اس واقعہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ کا بذریعہ قلم علم عطا کرنے کے علاوہ ایک علمِ کرم بھی ہے۔ جو کتابوں سے نہیں بلکہ محض اُس کے فضل سے بندگانِ خُدا کو حاصل ہوتا ہے۔ (۲) مقبولانِ حق کی طرف سفر کر کے جانا نیز اُن سے فیوض و برکات و تعلیم علومِ خاص اور خصوصی توجہ کی درخواست کرنا۔ عین دین کے مطابق ہے۔ (۳) اولیائے کاملین کی کسی ایسی بات پر جو سمجھ میں نہ آئے اعتراض نہیں کرنا چاہئے۔ (۴) شریعتِ مطہرہ کی پاسداری اور اتباع کا ہمیں کس قدر خیال ہونا چاہیئے۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام باوجود اتباعِ خضر علیہ السلام کا وعدہ فرمانے کے جب کوئی واقعہ خلافِ شرع دیکھتے ہیں۔ تو فوراً اعتراض کر دیتے ہیں۔ یہاں پر ایک سوال بھی ذہن میں آتا ہے۔

وہ یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اتنے بڑے عالم اور برگزیدہ نبی ہونے کے باوجود حضرت خضر علیہ السلام کے اِن واقعات کی حقیقت نہ سمجھ سکے۔ اِس کی کیا وجہ ہے۔ کیا اس میں آپ کی کسرِ شان تو نہیں۔ اس کا جواب پارہ نمبر ۳ کے شروع میں ہے۔ (آیت) تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ (ترجمہ) یہ رسول ہیں۔ کہ فضیلت دی ہم نے بعض اُن کے کو اُوپر بعض کے یعنی انبیاء علیہم السلام درجات و علوم میں مختلف ہیں۔ چنانچہ جو علم خضر علیہ السلام کو باذنِ اللہ حاصل تھا۔ وہ کلیم اللہ علیہ السلام کو عطا نہیں ہؤا تھا۔ بخاری شریف کی حدیث پاک میں ہے۔ کہ حضرت خضر و موسیٰ علیہ السلام کشتی پر سوار تھے۔ اُس کے کنارے پر ایک چڑیا آکر بیٹھی۔ اور اپنی چونچ پانی میں ڈال دی۔ اس پر حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اے موسیٰ علیہ السلام میرا اور تیرا نیز تمام مخلوق کا علم علمِ خدا کے سامنے بالکل ایسا ہی ہے۔ جیسا اس چڑیا کی چونچ کا پانی اس سمندر کے سامنے سبحان اللہ وہ خالق و مالک ہے۔ اُس کے علم کا کون احاطہ کر سکتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی یاد رکھ لو کہ جتنا جس قسم کا علم بھی کسی نبی یا ولی علیہم السلام کو عطا ہؤا۔ وہ تمام اقسام کا مجموعی طور پر ہمارے حضور پُر نُور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدس میں جمع فرما دیا گیا۔ اور اس سے مَاوراء عطا ہونے کی کوئی حد فکرِ انسانی میں نہیں۔ کیونکہ ارشاد ہوتا ہے۔ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ بے شک ہم نے آپ کو بہت کچھ عطا فرمایا۔ جس کو جو خوبی عطا ہوئی۔ اُنہیں کی برکت سے بلکہ نبیوں کو نبوت ولیوں کو ولایت آپ ﷺ ہی کی طفیل عنایت ہوئی۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اِسی لئے ہمارا سُنیوں کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ خدا کی سب چھوٹی بڑی مخلوق اور دُنیا کا ذرہ

ذرّہ نگاہِ مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے اوجھل نہیں۔ اس پر قرآن وحدیث
سے بے شمار دلائل موجود ہیں۔ صرف ایک شعر پر اکتفاء کرتے ہوئے آگے چلتا
ہوں۔ (شعر پنجابی) نہیں آپ توں کوئی بھی چیز مخفی
ہیں چودہ طبق رُوبرُوئے محمّد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم)

(بقیہ عرضِ مصنّف صفحہ ۱۳ سے آگے) حافظ اور قاری ہونے کے ساتھ ساتھ
خوش گلو اور بہترین مقرّر بھی ہیں۔ نعت خواں بھی۔ جنہوں نے اس کتاب کی طباعت
میں پوری جانفشانی سے اَن تھک کوشش فرمائی۔ اور مدرسہ کی پوری تن دہی
سے خدمت کر رہے ہیں۔ میری دُعا ہے کہ اَللہ تعالیٰ ان کو اپنے دین کی خدمت
کے لئے منظور فرمائے اور اُن کے ہاتھوں اس درس کو دن دُگنی رات چُگنی
ترقی عطا فرمائے۔ جب تعلیم سے فراغت ہوئی تو دل میں خیال آیا۔ کہ ایک چھوٹی سی
ایسی کتاب ہونی چاہئے جس میں عقائد اہلسنت کے ضروری مسائل جمع کئے جائیں
کہ ان کو پڑھ کر سُنّی دوست اپنے عقیدے کی حفاظت کر سکیں۔ چنانچہ توکل
علی شروع کروادی اور تھوڑے دنوں میں مکمل کر کے قبلہ ثانی لاثانی رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پیش کی۔ آپ نے اس کا نام آئینہ صداقت تجویز فرمایا۔
جو کہ بحمدِ للہ تعالیٰ چار مرتبہ چھپ کر ہدیہ ناظرین ہو چکی ہے۔ پھر دوسرا حصہ آئینہ صداقت
کا بعرف مدینے دیاں کلیاں جس میں نعتیہ کلام ہے چھپوا کر ہدیہ ناظرین کی۔ ابابعد
اکیس ۲۱ تقریروں کا مجموعہ بنام نصرت المقررین کو تصنیف کیا وہ بھی ایک دفعہ چھپ کر
قارئین کی نظر سے گزر چکی ہے۔ دوستوں نے ہاتھوں ہاتھ خریدی۔ اب میرے پاس سوائے
پروف کے کوئی نسخہ باقی نہیں۔ نمبر ۴ یہ زیرِ مطالعہ کتاب قصص الانبیاء پیشِ خدمت ہے
ان تصانیف کو پڑھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایک ناچیز پر جب کسی اَللہ والے
کی نظر پڑ جاتی ہے تو اس کو کس درجے تک پہنچا دیتی ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

حضرت داؤد

علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض نبیوں کو نبوت کے ساتھ ساتھ دُنیا کی حکومت بھی عطا فرمائی تھی۔ اِسی طرح بعض ولی بھی حکومتِ باطنی کے ساتھ ساتھ حکومت ظاہری کے بھی مالک ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام اُن حضرات میں سے تھے۔ جن کو دونوں حکومتیں عطا کی گئیں۔ واقعہ اُن کا اس طرح ہے۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل نے اپنے نبی شمویل علیہ السلام سے درخواست کی۔ کہ ہمارے لئے ہمارا ایک بادشاہ مقرر کرو۔ جس کے جھنڈے تلے ہم قوم عمالقہ کے ساتھ جہاد کریں۔ جس نے ہمیں اپنے گھروں سے نکالا۔ اور ہمارے بیٹوں کو ہم سے جُدا کیا۔ اُن پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں بادشاہ مقرر کردوں اور جہاد تم پر فرض کیا جائے اور تم اپنی بات سے پھر جاؤ۔ بولے توبہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اُنہوں نے ہم پر اتنے مظالم ڈھائے ہیں۔ پھر ہم اُن سے کیوں جہاد نہیں کریں گے۔ پس جب اُن پر جہاد فرض ہُوا۔ تو ایک قلیل جماعت کے سوا تمام لوگ اپنے وعدے سے پھر گئے۔ واقعہ یوں ہُوا۔ کہ حضرت شمویل علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی قوم سے ایک طالُوت نامی شخص کو اُن کا بادشاہ مقرر کیا۔ جس پر انہوں نے کئی اعتراض کئے۔ جن کے آپ علیہ السلام نے بحکم خدا اُن کو تسلّی بخش جواب دیئے۔ پھر وہ اُس پر رضامند ہوئے۔ اور جہاد کے لئے قوم عمالقہ کی طرف چلے۔ جب دونوں لشکر ایک

دوسرے کے سامنے ہوئے۔ تو بہت سے بنی اسرائیلی کافروں کی کثرت اور
اُن کے بادشاہ جالوت کی ہیبت دیکھ کر میدان سے بھاگ گئے۔
اُس وقت مسلمانوں کے لشکر میں حضرت داؤد علیہ السلام بھی موجود
تھے۔ مگر ہنوز کم عمر تھے۔ طالوت نے اعلان کیا۔ کہ جو غازی اس جالوت
قد آور بارُعب کافر بادشاہ کو قتل کرے میں اُسے اپنا آدھا مُلک
اور حقیقی بیٹی کا نکاح دُونگا۔ یہ سُن کر حضرت داؤد علیہ السلام
باوجود کم سنی و کمزوری کے ہاتھ میں (گوپیہ) کمان لے کر جالوت کی طرف
گئے۔ اور ایک ہی گلیلے میں اُس کا کام تمام کر دیا۔ یہ دیکھ کر کافر
میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ طالوت
نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ پھر اُس کے فوت ہو جانے کے بعد سارا
ملک حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں آگیا۔ چنانچہ اُن کا رَبّ
جل شانہٗ فرماتا ہے۔ (آیت) وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ
وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ط (ترجمہ) اور دیا اللہ تعالیٰ نے اُس کو مُلک
اور حکمت اور سکھایا اُس کو جو چاہا۔ یہاں تک یہ واقعہ جو بیان ہُوا ہے
اس کے متعلق آیاتِ قرآنی جو وارد ہوئی ہیں۔ بنظرِ اختصار اُن کو چھوڑ
دیا گیا ہے۔ مگر اُن کا حوالہ بتائے دیتے ہیں۔ پارہ نمبر ۲ رکوع نمبر ۱۶
کے بیچ سے شروع ہو کر رکوع نمبر ۱۷ کے آخر تک ہیں۔ یہ بات تو ایمان
میں داخل ہے۔ اور اکثر مسلمان جانتے ہیں۔ کہ چار بڑی آسمانی کتابیں
ہیں۔ جو بڑے بڑے اولوالعزم چار پیغمبروں کو عطا ہوئی ہیں۔ اُن میں
سے ایک زبور شریف ہے۔ جو حضرت داؤد علیہ السلام کو عطا ہوئی۔
ارشادِ خداوندی ہے۔ (آیت) وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۚ

(ترجمہ) ہم نے عطا کیا داؤد علیہ السلام کو زبور شریف۔ اور زبور شریف میں کیا لکھا تھا۔ دیکھو پارہ نمبر ۱۷ رکوع ۷ میں۔ (آیت) وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ۝ (ترجمہ) بے شک ہم نے زبور میں ذکر کے بعد یہ لکھا کہ تحقیق زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوتے رہیں گے۔ یہی عقیدہ بفضلہٖ تعالیٰ ہم سُنیوں کا ہے۔ ہم اولیاء کو خدا کی زمین کے وارث سمجھتے ہیں۔ اگر کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو۔ کہ قرآن شریف کے دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں سے جس کو چاہے زمین کا وارث کرتا ہے۔ تو جواب اس سوال کا اُسی مقام پر اگلے جملے میں موجود ہے۔ (وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ) یعنی کفار و فجّار کی حکومت زمین پر عارضی ہوتی ہے۔ دراصل اس کے حاکم و وارث پرہیزگار ہی ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو کسی چیز کا وارث ہو گا۔ اُسے اُس میں تصرّف کرنے کا بھی حق ہو گا۔ جب یہ حضرات زمین میں خلفاء اور اُس کے وارث ہوئے۔ تو ماننا پڑے گا۔ کہ وہ باذن اللہ اس میں پورا تصرّف فرماتے ہیں۔ یہ ہی ہم کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ کی روحانی طور پر سب دُنیا پر حکومت ہے۔ یہ ظاہری حاکم اُن کے حکم اور مشورے سے مقرّر ہوتے ہیں۔ اس کے متعلق شریعت مطہرہ سے بے شمار دلائل لکھے جا سکتے ہیں۔ مگر میں ایک ولیٔ کامل کے واقعہ پر ہی اکتفاء کرتا ہوں۔ اور یہ دُعا بھی کروں گا۔ کہ اللہ تعالیٰ ہمیں شانِ اولیاء سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ وہ واقعہ یوں ہے۔ کہ حضرت بُو علی قلندر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک خادم اپنے مُرشدِ کامل کے عشق میں سرشار بازار میں جا رہا تھا۔ پیچھے سے حاکمِ شہر کی سواری آ رہی تھی۔ ہٹو۔

پیچ۔ کا شور برپا تھا۔ مگر وہ اللہ والا اللہ سے لو لگائے۔ بے خوف خطر چلا جا رہا تھا۔ حاکم جب اُس کے پاس آیا۔ تو اُس نے درویش کے اس فعل پر خفا ہو کر اُس کو ایک ڈنڈا رسید کیا۔ خادم نے آ کر یہ ماجرا اپنے شیخ سے عرض کیا۔ اس پر حضرت بُو علی قلندر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بادشاہِ وقت کو ایک خط لکھا۔ جس میں تحریر تھا۔

(شعر فارسی) باز گیر ایں عاہل بد گوہرے

ورنہ بخشم مُلکِ تو دیگرے

یعنی اے بادشاہ اس اپنے حاکم کو منع کر۔ اُس نے ہمارے خادم کو مارا ہے۔ ورنہ ہم تیرا مُلک کسی اور کو دے دیں گے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا بہت بڑا مشہور معجزہ یہ ہے۔ کہ اُن کے ہاتھ میں لوہا موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا۔ اس کو ایک فارسی بزرگ نے یوں بیان فرمایا ہے۔

(شعر) چُوں عنایت قادرِ قیوم کرد

در کفِ داؤد آہن موم کرد

(ترجمہ) جب اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے عنایت کی تو حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہے کو موم کیا۔ اس معجزے کے ظہور کا سبب یہ ہُوا۔ کہ حضرت داؤد علیہ السلام دن بھر تو مقدمات نپٹاتے تھے۔ اور رات کو گشت فرماتے۔ معمول کے مطابق ایک رات گشت فرما رہے تھے کہ خُدا کے حکم سے ایک فرشتہ بصورت انسان نمودار ہُوا۔ آپ نے اُس سے پوچھا بتاؤ حضرت داؤد علیہ السلام کیسے آدمی ہیں۔ اُس نے کہا بہت بڑے بزرگ ہیں۔ ظاہری باطنی حکومت کے مالک ہیں۔ بس ذرا اتنی بات ہے۔ کہ اپنی ضروریاتِ زندگی کا خرچ خزانے سے لیتے ہیں۔ اگر اپنے ہاتھ سے

کوئی کسب کریں تو بہت اچھا ہو۔ اور آنے والی نسلوں کے لئے ایک سبق ہو جائے۔ اس پر حضرت داؤد علیہ السلام نے خدا کی بارگاہ میں دُعا فرمائی۔ کہ اے اللہ مجھے کوئی کسب کرنے کی اجازت فرما۔ حکم ہوا۔ کہ آپ لوہے کی زرہ بنایا کریں۔ اور اس کام میں آپ کو آگ اور دیگر آلات کی ضرورت نہیں ہوگی۔ بلکہ جب آپ لوہے کو ہاتھ لگائیں گے۔ تو اُسے موم کی طرح نرم پائیں گے۔ چنانچہ آپ بحکمِ پروردگار لوہے سے بے تکلف زرہیں بناتے اور اُنہیں فروخت کر کے اپنی ضروریاتِ زندگی پوری فرماتے۔ اس کے متعلق پارہ نمبر ۱۷ رکوع ۶ میں ہے۔ (آیت) وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ۝ (ترجمہ) اور سکھایا ہم نے اُس کو ایسا لباس بنانا۔ جو تم کو لڑائی کے وقت بچائے۔ کیا تم ہو شکر کرنے والے۔ یعنی لوہے کی زِرہ سر سے پاؤں تک لڑائی کے وقت پہنی جاتی ہے۔ جو تیر و تلوار وغیرہ سے محفوظ رکھتی ہے حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ بھی ایک باکمال معجزہ تھا۔ کہ جب آپ صبح و شام خدا کا ذکر کرتے تو پہاڑ بھی آپ کے ساتھ مل کر ذکر میں شریک ہوتے تھے۔ پارہ نمبر ۲۳ سورہ صٓ رکوع ۲ آیت ۴۔

(ترجمہ) بے شک فرمانبردار کیا ہم نے پہاڑوں کو تسبیح کرتے تھے ساتھ اُس کے مل کر شام اور صبح۔ آپ کے آواز میں اس قدر خوش الحانی تھی۔ کہ جب زبور شریف کی تلاوت فرماتے تو تمام جانور آپ کے گرد جمع ہو جاتے۔ چلتا پانی بھی رک جاتا۔ اور دیواروں سے پانی نکل آتا۔ آپ کی مبارک زندگی کا ایک واقعہ پارہ نمبر ۲۳ سورہ صٓ کے

رکوع نمبر ۲ میں بیان ہوا ہے۔ دیکھو آیت نمبر ۷ تا ۱۱ (تک) جب آپ اس واقعہ کو بغور پڑھیں گے۔ تو آپ کو حضرت داؤد علیہ السلام کی شان کا اندازہ ہو گا۔ نیز یہ بھی سمجھ میں آئے گا۔ کہ اگر بزرگان دین سے اُن کی بے توجگی میں کوئی ناپسند بات ظاہر ہو رہی ہو۔ تو کس طریقے سے اُن کو اس سے روکا جائے۔ واقعہ یوں ہے۔ کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک کم سو (۹۹) بیویاں تھیں۔ ہنوز آپ کو اور نکاح فرمانے کا بھی اختیار تھا۔ آپ نے ایک عورت کو پیغام نکاح دیا۔ مگر آپ کو یہ معلوم نہ تھا۔ کہ اُس کو ایک مسلمان پہلے پیغام دے چکا ہے۔ اور وہ منظور بھی کر چکی ہے۔ جب عورت اور اُس کے وارثوں کو داؤد علیہ السلام کی خواہش معلوم ہوئی۔ تو وہ اپنی قسمت پر ناز کرنے لگے۔ کہ ہماری مثل آج دُنیا میں کون ہو گا۔ کہ ہماری رشتہ داری خدا کے پیغمبر علیہ السلام سے ہو رہی ہے۔ وہ آپ کے مقابلے میں کسی اور کو کب پسند کرتے تھے۔ گو حضرت داؤد علیہ السلام نے عمداً یہ پیغام نکاح نہیں دیا تھا۔ لیکن پھر بھی خدائے تعالےٰ کو یہ منظور نہ ہؤا۔ کہ میرے پیارے نبی علیہ السلام کی وجہ سے ایک مسلمان کی دل شکنی ہو۔ اُدھر احترام داؤد علیہ السلام کا بھی لحاظ ہے۔ یوں ہی نہیں فرما دیا۔ کہ حضرت آپ کے لئے یہ کام ناجائز ہے۔ ایک مسلمان کے دل کو رنجیدہ کرنا بہت بُرا ہے۔ اس کو آپ بالکل نہ کریں۔ بلکہ آپ اندازہ کریں۔ کہ مقبولان خُدا کی اُس کے دربار میں کتنی بڑی شان ہے۔ دیکھو کس طریقے سے آپ علیہ السلام کی توجہ کو اُس سے ہٹایا۔ داؤد علیہ السلام کا معمول شریف تھا۔ کہ ایک دن مقدمات کے فیصلے فرماتے۔

اور ایک دن عبادت میں مشغول رہتے۔ دستور کے موافق ایک دن آپ اپنے عبادت خانہ میں مصروفِ عبادت تھے کہ اچانک دو فرشتے بصورتِ انسانی نمودار ہوئے۔ آپ دل میں گھبرائے۔ کہ اتنے سخت پہرے اور دروازہ بند ہونے کے باوجود یہ حضرات تشریف لائے ہیں۔ یہ کوئی امرِ عجیب ہے۔ تو فرشتوں نے فوراً عرض کیا۔ کہ حضور گھبرایئے نہیں۔ ہم آپ سے ایک مقدمہ کا فیصلہ کرانے آئے ہیں۔ ایک بولا حضور یہ میرا بھائی ہے جس کے پاس ایک کم سو (۹۹) دُنبیاں ہیں۔ اور میرے پاس صرف ایک ہی ہے۔ اب مجھے یہ پُراصرار طور پر کہتا ہے۔ کہ وہ بھی مجھے دے دے۔ یہ سُن کر آپ نے فرمایا۔ کہ یہ تیرا بھائی بڑی زیادتی کرتا ہے۔ اور بہت سے آدمی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ جو ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں۔ اتنا فرمانا ہی تھا۔ کہ فوراً آپ کے دل شریف میں یہ خیال آیا۔ یہ تو مجھے سمجھایا جا رہا ہے۔ آپ نے فوراً اُس عورت سے شادی کے ارادے کو ترک کر دیا۔ اور خدا کے حضور سربسجود ہو کر استغفار پڑھنے لگے۔ اس واقعہ کے ساتھ کچھ شانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تحریر کرتا ہوں۔ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نبی الانبیاء دو عالم کے شہنشاہ خدا کے نائب اعظم ہیں دین دنیا میں جس کو جو ملا یا ملتا ہے۔ یا ملے گا۔ سب آپ ہی کی عطاء سے ہے۔ با ایں ہما۔ آپ نے اپنی حیاتِ ظاہری فقر میں گزاری۔ اور دُعا فرمائی۔ کہ اے اللہ مجھے فقیروں میں زندہ رکھ اور فقیری کی حالت میں فوت کر اور فقیروں کی جماعت میں ہی حشر میں اُٹھانا۔ اپنے گھر کے کام خود اپنے دستِ مبارک سے کر لیتے تھے۔ بکریاں چَراتا۔ تجارت کرنا اور اُجرت پر کسی کا کوئی کام کر دینا۔ آپ کی زندگی کے حالات میں ان کا

ثبوت ملتا ہے۔ شعر

سلام اُس پر کہ جس نے بیکسوں کی دستگیری کی
سلام اُس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی

اگر داؤد علیہ السلام کے ساتھ پتھر اور جانور تسبیح کرتے تھے۔ تو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کھانا تناول فرماتے۔ اُس سے سبحان اللہ کی آواز آتی تھی۔ داؤد علیہ السلام کے متعلق تو صرف اتنا ہی ہے۔ کہ پتھر تسبیح کرتے تھے۔ لیکن نبی کریم علیہ السلام نے کھانے اور پتھروں کی تسبیح اور سلام پڑھنا صحابہ رض کو سنوا دیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔ کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگل میں گیا۔ ہمارا جس شجر و حجر کے پاس سے گزر ہوا۔ وہ ہی اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُولَ اللہ کہتا۔ نیز صحابہ کرام رض فرماتے ہیں کہ جب ہم آپ علیہ السلام کے ساتھ کھانا کھاتے تو تسبیح کی آواز سنا کرتے تھے۔ دیکھو مشکوٰۃ وغیرہ۔ کتب احادیث یہ بڑا مشہور واقعہ ہے۔ کہ ابوجہل آپ کے علم کو آزمانے کے لئے اپنی مٹھی میں چھ کنکریاں لے کر حاضر ہوا۔ اور پوچھا کہ میرے ہاتھ میں کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ چھ کنکریاں ہیں۔ اب تو اپنی مٹھی والی کنکریوں سے سُن کہ وہ میرے متعلق کیا کہتی ہیں۔ جب اُس نے کان لگایا۔ تو وہ کلمے شریف کا ذکر کر رہی تھیں۔ داؤد علیہ السلام نے لوہے کو موم کیا۔ لیکن ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رفیعہ کو دیکھو۔ جن دنوں آپ اپنی والدہ محترمہ کے شکم اطہر میں تشریف رکھتے تھے۔ مائی صاحبہ کا یہ حال تھا۔

اُستاد ذی المکرم نور اللہ مرقدہٗ علیہ فرماتے ہیں۔ شعر پنجابی

(۱) مائی صاحبہ دے پیراں ہیٹھاں جو جو چیزاں آون

مُوم یا مکھن وانگوں ساریاں بالکل نرم ہو جاون
(۲) بھی جد کرے ارادہ مائی پیون کارن پانی
کھوہ تھیں پانی باہر آوے قدرت نال رُبانی

بہت سے مقامات پر ایسے متبرک پتھر دیکھے جاتے ہیں جن پر آپ کے مبارک قدموں کا نشان ہے۔ نیز جنگ میں ایک صحابیؓ کی تلوار ٹوٹ جاتی ہے۔ آپؐ ایک لکڑی اُسے دیتے ہیں۔ جو تلوار کا کام دیتی ہے۔ بے شک لوہے کو موم کرنا عظیم معجزہ ہے۔ لیکن لکڑی کو لوہا بنا دینا۔ اس سے عظیم تر ہے۔ کیونکہ یہاں حقیقتِ شئے کو ہی بدل دیا گیا ہے۔ داؤد علیہ السلام کے مقفل حجرے میں فرشتے بے اجازت داخل ہوئے۔ لیکن دربارِ مصطفٰے علیہ السلام کی رفعت دیکھو۔ کہ سیّد الملائکہ تمام انبیاء علیہم السلام کی طرف اللہ تعالیٰ کی وحی لانے والے حضرت جبریل علیہ السلام آپؐ کے اہلِ بیت کے گھر چکی پیسنے تشریف لاتے ہیں۔ اور بغیر اجازت اندر داخل نہیں ہوتے۔

(شعر) بے اجازت اُن کے گھر جبریلؑ بھی آتے نہیں
قدر والے جانتے ہیں عزّ و شانِ اہلبیت

(بقیہ ضمیمہ صفحہ ۲۰۳ سے آگے)

وہ سراپا کُفر تھا۔ اور یہ پیکرِ ایمان۔

ہم اہلسنّت و جماعت کتنے خوش نصیب ہیں کہ ہمارا وہ عقیدہ ہے۔ جس پر مُہر صدیق اکبرؓ کی ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے محبوبؐ کی عزّت و توقیر اور ان کا احترام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حضرت سلیمان

علیہ السلام

یہ نبی ابن نبی علیہم السلام ساری دُنیا کے بادشاہ بھی تھے۔ ہر چھوٹی بڑی مخلوق حتیٰ کہ دیو پری آپ کے زیرِ فرمان تھی۔ شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

(شعر فارسی) با سلیماں داد ملک و سروری
شُد مطیع و خادمش دیو و پری

(اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو مُلک اور سرداری عطا فرمائی۔ کہ اُن کے تابع فرمان اور خادم ہوئے دیو اور پریاں۔ آپؑ سب مخلوق کی فریاد سنتے اور پُوری فرماتے۔ تمام قسم کے مقدمات کے فیصلے فرماتے۔ ہوا بھی مخلوق میں سے ہے۔ وہ بھی آپ کے زیرِ فرمان تھی۔ آپؑ کے تخت کو صبح کے وقت اُڑا کر چاشت تک اتنی مسافت تک پہنچا دیتی۔ کہ جس کو ایک تیز گھوڑے کا سوار ایک مہینے میں طے کرتا ہے۔ اور عصر سے مغرب تک پھر آپ کو آپ کے درِ دولت پر لے آتی۔ دیکھو پارہ ۲۲ سورہ سبا رکوع نمبر ۲ آیت ۲

(آیت) وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ الخ

(ترجمہ) اور فرمانبردار کیا ہم نے سلیمان علیہ السلام کا ہوا کو۔ کہ صبح کا سفر اُس کا ایک مہینے کا اور شام کا بھی ایک مہینے کا تھا۔ اور اس آیت میں یہ بھی ہے۔ کہ ہم نے آپ کے لیئے ایک تانبے کا چشمہ جاری کیا تھا۔ جسے اپنے تصرّف میں لاتے تھے۔ نیز یہ بھی اسی آیت میں ہے۔ کہ جنّوں میں سے ایسے بھی تھے جو آپ کے سامنے آپ کے بتائے ہوئے کاموں کو سرانجام دیتے تھے اور فرمایا جو کوئی

کجی کرے اُن سے حکم ہمارے سے تو چکھائیں گے ہم اُسے عذاب دوزخ کا جنّوں میں سے جو بڑے شریر اور سرکش تھے۔ اُن کو آپ زنجیروں میں جکڑ دیتے۔ باقی جنّات کے ذمّے کیا کام تھے۔ دیکھو اُوپر لکھی ہوئی آیت سے آگے۔ (آیت) یَعْمَلُوْنَ لَہٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَ تَمَاثِیْلَ وَجِفَانٍ کَالْجَوَابِ وَ قُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ۔ (ترجمہ) بنانے تھے جن واسطے اُس کے یعنی سلیمان علیہ السلام کے جو آپ چاہتے۔ بڑے بڑے حجروں سے اور تصویریں اور پیالے مثل تالابوں کی اور بڑی بڑی دیگیں۔ ایک اور مقام پر ہے کہ کچھ جنّات سمندروں میں غوطہ زنی کر کے موتی نکالنے پر معمور تھے۔ یہاں ہر ایک اعتراض کا ازالہ ضروری ہے۔ وہ یہ کہ آیت میں جنّات کے کاموں میں تصویروں کا بنانا وارد ہؤا ہے۔ تو آج یہ کیوں ناجائز ہیں۔ جواب اس کا یہ ہے۔ کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں۔ جو پہلی شریعتوں میں جائز تھیں۔ اور اب ناجائز ہیں۔ اسی طرح بہت ایسی چیزیں بھی ہیں جو سابقہ شریعتوں میں ناجائز تھیں۔ اور اس ہماری شریعت پاک میں جائز ہیں۔ تو ایسے ہی اُس زمانے میں اُن کا بنانا جائز تھا۔ ہمارے آقا و مولا صلی اللّٰہ علیہ وسلّم نے بڑی سختی سے منع فرمایا۔ ارشاد ہے۔ کہ جو لوگ جانداروں کی تصویریں بناتے ہیں۔ بروزِ حشر اُن سے فرمایا جائے گا۔ کہ ان میں جان ڈالو۔ دوسری حدیث شریف میں ہے۔ تین گھر ایسے ہیں۔ کہ جن میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ ایک وہ جس میں بغیر ضرورت کے کُتّا ہو۔ دوسرا جس میں ایسا مرد یا عورت ہو۔ جس پر غُسل فرض ہے۔ اور وہ بغیر عذر شرعی کے نہانے میں تاخیر کرتا ہے۔ تیسرا وہ گھر جس میں کسی جاندار کی تصویر ہو۔ اس ارشادِ مصطفٰے علیہ السلام سے وہ لوگ سبق حاصل کریں۔ جنہوں نے اپنے

مکانوں کی زینت ہی تصویروں کو سمجھ رکھا ہے۔ یہ مسئلہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جس مکان میں جانداروں کی فوٹو ہوں۔ اگر کوئی اُس میں نماز پڑھے۔ دیکھے اگر تصویریں اُس کے سامنے یا سجدے کی جگہ پر ہیں۔ تو بالکل نماز ہوگی ہی نہیں۔ اگر دائیں بائیں ہیں۔ تو پھر بھی مکروہ ہوگی۔ ہاں بے جان چیزیں مثلاً دریا۔ پہاڑ۔ درخت وغیرہ کی تصاویر اور نقشہ جات بنانے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام تمام مخلوقِ خُدا کی زبانیں جانتے تھے۔ جبھی تو آپ ہر ایک کا فیصلہ فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ اس خداداد علم کا ذکر یوں فرماتے ہیں۔ پارہ نمبر۱۹ سورہ نمل۔ رکوع نمبر۲۔ آیت نمبر۲۔ (آیت) وَ وَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ وَ قَالَ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ وَ اُوْتِیْنَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِیْنُ ۝

(ترجمہ) اور وارث ہوئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام کے اور آپ نے تمام آدمیوں کو مخاطب کرکے فرمایا۔ کہ اے لوگو۔ ہمیں تمام پرندوں کی زبانیں تعلیم کردی گئی ہیں۔ اور ہر شے کا ہمیں علم عطا ہُوا ہے۔ تمام مخلوقات کی بولیاں سمجھنا اور ہر چیز کا علم ہونا۔ یہ ہمارا ذاتی اور غیر عطائی نہیں۔ بلکہ خدائے علیم و قدیر کے عطا فرمانے سے ہے۔ لیکن یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ بے شک البتہ یہ فضل اور بزرگی ہے۔ ظاہر اس فرمانِ الٰہی سے ثابت ہو رہا ہے۔ کہ اگر کسی اپنے برگزیدہ نبی کو اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم اور تمام مخلوقات کی زبانیں بھی سکھلا دیں۔ تو اُس کے علم میں ذرّہ بھر بھی کمی واقع نہیں ہوتی۔ اور یہ جسے سب کچھ دیا گیا ہے وہ اُس کے برابر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کے پاس جو کچھ ہے۔ وہ مالکِ حقیقی کی عطا ہے۔ یہ عقیدے کا مسئلہ ہے۔ کہ ہر نبی علیہ السلام عالمِ ارواح میں۔ باپ کی پیشانی میں۔ والدہ کے پیٹ میں۔ ظہور کے وقت۔ دودھ پینے کے زمانے میں۔ بچپن میں۔

جوانی میں بڑھاپے میں وصال کے وقت قبر میں حشر میں نبی ہے. کسی نبی علیہ السلام سے کسی وقت بھی نبوّت جُدا نہیں ہوتی۔ اس پر بے شمار دلائل لکھے جا سکتے ہیں. مگر اختصار ملحوظ خاطر ہے۔ جو لوگ اپنی تحریروں اور تقریروں میں یہ کہتے اور لکھتے ہیں کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم چالیس (۴۰) سال کے بعد نبی ہوئے ہیں۔ پہلے تو آپ بکریاں چرایا کرتے تھے اور آپ کو یہ علم نہ تھا۔ کہ میں نبی ہونے والا ہوں۔ (العیاذ باللہ) یہ عقیدہ رکھنا سراسر گمراہی و بے دینی ہے۔ اللہ تعالےٰ سمجھ عطا فرمائے. چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام بچپن سے ہی بہت بڑے فہیم و علیم مخلوق پر مہربان اور رحیم غریبوں مسکینوں اور بیواؤں کی مدد فرمانے والے تھے۔ آپ کی ظاہری عمر شریف گیارہ (۱۱) سال کی تھی۔ کہ ایک مقدمہ آپ کے والدِ محترم جناب داؤد علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہُوا۔ جس میں آپ نے اپنی بڑی دانائی اور بہت بڑے علم اور ہر دو فریق کی نہایت ہی خیر خواہی کا ثبوت دیا۔ اس مقدمے کی نوعیّت یہ تھی۔ کہ ایک قوم کی بکریاں رات کے وقت کسی آدمی کی کھیتی کو کھا کر ویران کر گئیں۔ صبح کو کھیتی والے نے دربارِ داؤدیؑ میں دعوےٰ دائر کر دیا۔ آپؑ نے بکریوں کے مالک کو بُلایا۔ اور ہر دو فریق کے بیانات سننے کے بعد یہ فیصلہ فرمایا۔ کہ جتنی قیمت اس کی صحیح کھیتی کی ہو سکتی تھی۔ اُتنی قیمت کی بکریاں اُس کو دے دی جائیں۔ جب یہ فیصلہ سلیمان علیہ السلام نے سُنا۔ تو فرمایا اس مقدمے کا اس سے بہت آسان فیصلہ بھی ہو سکتا ہے۔ جب اس بات کی خبر داؤد علیہ السلام کو ہوئی۔ تو آپ کو بُلا کر فرمایا۔ کہ اے لختِ جگر تو نظرِ گراہی قدر دیجئے۔ میں اجازت دیتا ہوں۔ آپ اس مقدمے

کا دوبارہ جو آپ کی سمجھ میں آتا ہے فیصلہ فرما دیں۔ آپؑ نے کھیتی والے سے فرمایا۔ کہ اس کی بکریاں لے جا۔ ان کی پرورش کر اور ان کے دُودھ اور پشم سے نفع حاصل کر۔ بکریوں والے سے فرمایا۔ کہ تو اُجڑی ہوئی کھیتی کو دوبارہ کاشت کر اور اس میں اُس وقت تک محنت کرتا رہ۔ کہ اُس حالت پر آجائے۔ جس پر تیری بکریوں کے اُجاڑنے سے قبل تھی۔ یہ فیصلہ سُن کر دونوں فریق اور تمام درباری بہت خوش ہوئے۔ اور آپؑ کی کی فہم و دانش کی داد دینے لگے۔ اس واقعہ کو پارہ نمبر ۱۷۔ رکوع ۶ میں یوں بیان فرمایا ہے۔ آیت نمبر ۲ اور ۳۔ (آیت) وَ دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْکُمٰنِ فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِیْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَ کُنَّا لِحُکْمِهِمْ شٰهِدِیْنَ ۙ۝ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَیْمٰنَ ۚ (ترجمہ) اور یاد کرو داؤد اور سلیمان علیہم السلام کو جب وہ حکم کر رہے تھے۔ بیچ ایسی کھیتی کے جس کو رات کے وقت ایک قوم کی بکریوں نے اُجاڑا تھا۔ اور ہم بھی اُن کے فیصلے کے وقت حاضر تھے۔ پس اُس مقدمے کے آسان ترین فیصلہ کرنے کی ہم نے سلیمٰن علیہ السلام کو سمجھ عطا فرمائی۔ مشکوٰۃ وغیرہ کتب احادیث میں اسی طرح کا ایک اور عجیب واقعہ بیان ہوا ہے۔ کہ دو عورتیں اپنے اپنے بچے کو اُٹھائے ہوئے قضائے حاجت کے لئے باہر گئیں۔ دونوں لڑکوں کو بٹھا کر آپ قضائے حاجت کرنے لگیں جنگل سے بھیڑیے نے آکر بڑی کا لڑکا اُٹھا لیا۔ اور چلتا بنا۔ جب دونوں فارغ ہو کر واپس آئیں تو دیکھا کہ بڑی کا لڑکا غائب تھا۔ وہ چونکہ بڑی ہوشیار اور چالاک باتیں بنانے میں بے مثال جھوٹی قسمیں کھانے میں اپنی نظیر آپ تھی۔ اس لئے اُس نے چھوٹی کا لڑکا اپنی گود میں اُٹھا لیا۔ اس بات پر دونوں میں سخت جھگڑا ہوا۔

اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ دربارِ داؤدی میں مقدمہ دائر ہُوا۔ یہ عدالتوں کا اصول ہے کہ مقدمات کے فیصلے بیانات پر ہی ہوتے ہیں۔ آپؑ نے جب دونوں کے بیانات سُنے۔ تو بڑی نے اپنی عادت کے مطابق بڑی چالاکی اور ہوشیاری سے قسمیں کھا کھا کر بیان دیا۔ کہ جی یہ لڑکا میرا ہے۔ آپؑ نے اُس کے حق فیصلہ کر دیا۔ مگر آپ جانتے ہیں کہ جس ماں سے اُس کا بیٹا جُدا ہو رہا ہو۔ اور پھر ظلم سے وہ کس طرح صبر کر سکتی ہے۔ ہنوز جھگڑا اُن کا جُوں کا تُوں ہی تھا۔ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اُن دونوں کو اپنے پاس بُلایا۔ اور اُن سے نوعیّتِ مقدمہ اور فیصلہ سُن کر فرمایا ٹھہرو میں تمہارے مابین ایسا فیصلہ کرتا ہوں جس کے بعد تمہارا جھگڑا بالکل ختم ہو جائے گا۔ چنانچہ ایک خادم کو فرمایا کہ ایک چھُری لاؤ۔ جس سے میں اس لڑکے کو ذبح کر کے آدھا آدھا دونوں کو دے دوں۔ یہ سُن کر چھوٹی جو لڑکے کی حقیقی ماں تھی۔ چلّا کر بولی کہ حضور خُدارا میری آنکھوں کے سامنے اس کو ذبح نہ کیجئے۔ میں آپ پر اور آپ کے خدا پر بہ دل و جاں راضی ہوں۔ یہ لڑکا اس بڑی کو دے دیجئے۔ یہ سُن کر آپؑ نے بڑی کو بہت ڈانٹا۔ اور لڑکا چھوٹی کو عطا فرمایا۔ سبحان اللہ کیا عجیب فیصلہ فرمایا۔ اور کیوں نہ ہو۔ کہ ان اللہ والوں کی نظر لوحِ محفوظ پر ہوتی ہے۔ ہاں کبھی مرضیِ الٰہی سے ان کی توجہ اُدھر سے ہٹ جاتی ہے۔ تو اس پر اُن کے علم میں اعتراض کرنا۔ بے وقوفی ہے۔ پارہ نمبر ۱۹۔ سورۂ نمل کے رکوع ۲۔ میں آپؑ کی سلطنت کے زمانے کا ایک بڑا دلچسپ واقعہ بیان ہُوا ہے۔ وہ اس طرح ہے۔ کہ جب آپؑ کا تخت ہوا میں اُڑتا تھا۔ تو اُس کے آس پاس جنّات چلتے تھے۔ اور تخت کے اُوپر آپؑ کے وزیر و مشیر ہوتے

تھے۔ اور سر پر اُڑنے والے جانور اس طرح اُڑتے تھے۔ کہ کوئی آگے پیچھے نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ تمام تخت پر سایہ کئے ہوئے ہوتے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (آیت) وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۝ (ترجمہ) اور اکٹھے کئے گئے واسطے سلیمان علیہ السلام کے اُس کے لشکر جنّوں۔ انسانوں اور پرندوں سے۔ پس وہ روکے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک دن اسی شان و شوکت کے ساتھ آپؑ کا تخت ہوا میں اُڑتا جا رہا تھا۔ کہ چیونٹیوں کے ایک نالے کے قریب جا پہنچا۔ ابھی تین میل کا فاصلہ بقایا تھا۔ چیونٹیوں کی ملکہ نے اپنی تمام چیونٹیوں کو آواز دی۔ کہ اے چیونٹیو، اپنے اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اور اُن کا لشکر آرہا ہے۔ کہیں وہ بے خبری میں روند نہ ڈالیں۔ یہ چیونٹی کی بات آپؑ نے تین میل کے فاصلے سے اُڑتے ہوئے تخت پر سُنی۔ اور تبسّم فرمایا۔ ارشادِ خداوندی ہے۔ (آیت) حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ (ترجمہ)۔ یہاں تک کہ جب آئے ایک چیونٹیوں کے نالے پر تو چیونٹیوں کی سردار نے کہا۔ اے چیونٹیو۔ اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ۔ کہیں تمہیں سلیمان علیہ السلام اور اُن کا لشکر بے توجگی

میں کہیں روند نہ ڈالیں۔ پس تبسّم فرمایا۔ آپ نے اُس چیونٹی کی بات سے ہنستے ہوئے۔ اور عرض کیا۔ اے رَب میرے مجھے توفیق دے اس بات کی کہ میں شکر کروں۔ تیری اُن نعمتوں کا جو تُو نے مجھے اور میرے ماں باپ کو عطا کیں۔ اور اس بات کی بھی توفیق دے کہ میں ایسے نیک اعمال کروں۔ جن سے تو راضی ہو۔ اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما۔ چنانچہ جب آپ اُس جنگل میں پہنچے۔ اور ہوا نے تخت آپؑ کا زمین پر رکھا۔ تو آپؑ نے اُس چیونٹیوں کی ملکہ کو ہاتھ پر اُٹھایا۔ اور فرمایا کہ ہم تو ہوا میں اُڑتے ہوئے آ رہے تھے۔ تو نے چیونٹیوں کو اپنی اپنی بلوں میں داخل ہونے کا کیوں حکم دیا۔ اُس نے عرض کی حضور اللہ تعالیٰ جل شانہٗ قادر مطلق ہے۔ اُس نے سب مخلوق کو اُس کی حیثیت کے موافق سمجھ عطا فرمائی ہے۔ وہ شہد کی مکھی کو فرمان کرتا ہے۔ کہ تو اپنا گھر پہاڑوں، مکانوں کی چھتوں اور درختوں پر بنا۔ پھر ہر قسم کے کھٹے۔ میٹھے۔ کسیلے اور سخت کڑوے درختوں کا رس چوس۔ ہم تیرے پیٹ میں سے ایسی پینے کی چیز یعنی شہد نکالیں گے۔ جس میں لوگوں کے لئے تندرستی ہے۔ حضور والا شان اُس خدا نے مجھے بھی علم دے دیا۔ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام تیرے جنگل میں نزول فرمائیں گے۔ میں نے اُن کو دو وجہ سے حکم دیا۔ اوّل۔ اس لئے کہ وہ ذکرِ خدا میں مشغول تھیں۔ مجھے فکر ہوئی۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ آپ کی شان و شوکت اور آپ کے لشکر کی کرّ و فر دیکھ کر کہیں یہ ذکر سے غافل نہ ہو جائیں۔ دوم۔ اس لئے کہ اچانک آپ کا لشکر زمین پر اُترے۔ اور بے خیالی میں انہیں روند ڈالے۔ عزیزو۔ اس قرآنی واقعہ کو بغور پڑھو۔ بار بار پڑھو۔ با تکرار پڑھو۔ اس سے اتنے مسئلے حاصل ہوئے۔ نمبر ۱۔ چیونٹی نے تین میل سے ہوا میں اُڑتا ہوا تخت دیکھا۔

نمبر ۲۔ اُس کو یہ بھی علم تھا۔ کہ یہ کس کا تخت ہے۔ نمبر ۳۔ یہ بھی اُس کو قبل از وقت معلوم ہوگیا۔ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اُس کے جنگل میں نزول فرمائیں گے۔ نمبر ۴۔ یہ علم بھی اُس کو دیا گیا۔ کہ سلیمان علیہ السلام اور اُن کا لشکر جان بُوجھ کر کسی چیونٹی کو بھی تکلیف نہیں دیتے۔ اِسی لئے تو اُس نے کہا کہ کہیں تمہیں بے خبری میں روند نہ ڈالیں۔ اے عزیز یہ حال تو چیونٹی کا ہے۔ جو لوگ انبیاءؑ و اولیاء کے علم اور اُن کے دُور و دراز کے سُننے پر اعتراض کرتے ہیں۔ اُنہیں ٹھنڈے دل سے سوچنا چاہیئے۔ کہ اُن کا کتنا غلط عقیدہ ہے۔ اُوپر لکھے ہوئے واقعہ کو بنظرِ ایمان پڑھو۔ بتوجہِ تمام پڑھو۔ خاص و عام پڑھو۔ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہَوا میں تین میل سے زمین پر چیونٹی کو دیکھا۔ اور اُس کی آواز بھی سُنی۔ اور جو اُس نے چیونٹیوں کو پیام دیا۔ اُسے بھی سمجھا۔ دوستو۔ ان مقدس ہستیوں کو اپنے اُوپر قیاس کرنا۔ کُفار کی عادت ہے۔ یہ حضرات علیہم السلام ہر طرح سے ساری مخلوق میں بے نظیر و بے مثال ہیں اس پر بے شمار دلائل جمع کئے جا سکتے ہیں۔ بخوفِ طوالت صرف چار (۴) احادیث لکھی جاتی ہیں۔

حدیث نمبر ۱۔ از مشکوٰۃ باب عشرۃ النساء۔ فرمایا نبی کریم علیہ السلام نے کہ دنیا میں جو عورت اپنے مومن صالح خاوند کو تکلیف دیتی ہے۔ سات ہزار سال کی مسافت پر ساتویں آسمان سے اُوپر جنّت ہے۔ اُس میں حوریں گستاخانہ الفاظ سُن کر اسے ملامت کرتی ہیں۔ اور کہتی ہیں۔ یہ چند روز تیرے پاس مہمان ہے۔ عنقریب ہمارے پاس پہنچنے والا ہے۔ پھر ہم اس کی بہ دل و جان خدمتگار ہوں گی۔ دیکھو بحکم حدیث اِتنی دُور مسافت سے حوریں سُنتی بھی ہیں۔ اور یہ بھی جانتی ہیں کہ ملامت کرنے

والی عورت کون سے مُلک میں ہے۔ کس قبیلے سے تعلق رکھتی ہے۔ اور کس مکان میں بستی ہے۔ پھر اُس کے خاوند کے متعلق اُنہیں یہ معلوم ہے کہ یہ مومن ہے۔ اور اس کا خاتمہ بھی ایمان پر ہو گا۔ اور جنّت میں داخل ہو کر ہمارا شوہر بنے گا۔

حدیث نمبر ۲۔ از مشکوٰۃ۔ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہمارا غلام خدائے پاک سے دخولِ جنّت کی دُعا کرے۔ تو جنّت اُس کو سُن کر عرض کرتا ہے۔ الٰہی اس کو مجھ میں داخل فرما دے۔ ایسے ہی جب کوئی مومن دوزخ سے پناہ مانگتا ہے۔ تو وہ ساتوں زمینوں کے نیچے اُسے سُن لیتی ہے۔ اور کہتی ہے۔ کہ خدایا اس بندے کو مجھ سے پناہ دیجیو۔

حدیث نمبر ۳۔ از مشکوٰۃ۔ باب الکرامات۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسجد نبوی شریف میں خطبہ دیتے ہوئے ہزاروں میل کے فاصلے پر لشکر اسلام کی مدد فرمانا۔ اور فوج کے کمانڈر کو پکارنا۔ اور فتحیابی کی تدبیر بتانا۔ اور پھر کمانڈر کا آپ کی آواز کو سُن کر اس کے مطابق عمل کرنا اور کافروں پر فتحیاب ہونا مذکور ہے۔

حدیث نمبر ۴۔ از مشکوٰۃ باب الصّلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلّم۔ میں ہے۔ فرمایا۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے ہمارا جو غلام خواہ مرد ہو، یا عورت جس جگہ جس وقت جس مُلک میں تا قیامت ہم پر سلام پڑھے۔ اللہ تعالیٰ ہماری توجہ کو ہماری طرف پھیر دیتا ہے۔ ہم اُس کا سلام خود سنتے ہیں۔ اور جواب سلام بھی دیتے ہیں۔ الخ

سبحان اللہ۔ کیا شانِ احمدیؐ کا چمن میں ظہور ہے

خُدائی کا ذرّہ ذرّہ پیشِ حضورؐ ہے

آپؑ کے زمانے کا ایک بہت بڑا مشہور پُر اسرار اور ادب آموز واقعہ حضرت بلقیس ملکہ ملک سبا کا ہے۔ جس کو پارہ نمبر ۱۹۔ سورہ نمل کے رکوع ۲ اور ۳ میں بیان کیا گیا ہے۔ تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے۔ کہ ایک دن آپ کا تخت ہوا میں اُڑتا ہوا جا رہا تھا اور جیسے کہ اُوپر بیان ہو چکا ہے۔ کہ تمام پرند تخت پر سایہ کئے ہوئے اُڑتے تھے۔ پھر ہر جانور کی علیحدہ علیحدہ ڈیوٹی مقرر تھی۔ ایک چھوٹا سا جانور جس کی چونچ لمبی ہوتی ہے۔ عربی میں اُسے ہُدہُد کہتے ہیں پنجابی میں اُس کا نام چکی راہا ہے۔ اُس کے ذمے یہ ڈیوٹی تھی۔ کہ جہاں لشکر کو پانی کی ضرورت ہو۔ وہ اُس کا پتا بتائے۔ چنانچہ عند الضرورت ہُدہُد اپنی چونچ زمین پر رکھ کر بتا دیتا کہ یہاں پانی بہت دُور ہے۔ اور کڑوا ہے۔ اور یہاں سے پانی جلد برآمد ہوگا۔ اور شیریں بھی ہوگا۔ سبحان اللہ کہ چھوٹا سا جانور اور اتنا علم۔ بھائیو۔ اگر اس واقعہ کو سامنے رکھتے ہوئے ہم یہ عقیدہ رکھیں۔ کہ انبیاء و اولیاء کو زمین و آسمان کے علوم باعطائے الٰہی حاصل ہیں۔ تو ہم نے کون سا شرک کیا۔ کہ رات دن ہم پر فتوے لگائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حق سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ الغرض حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ اور پانی کی ضرورت ہوئی۔ آپؑ نے پرندوں کی طرف توجہ فرمائی۔ تو اُن میں ہُدہُد کو نہ پایا۔ تو فرمایا۔ (آیت) وَ تَفَقَّدَ الطَّیْرَ فَقَالَ مَا لِیَ لَآ اَرَی الْهُدْهُدَ اَمْ کَانَ مِنَ الْغَآئِبِیْنَ ۝ (ترجمہ) اور پڑتال کی سلیمان علیہ السلام نے جانوروں کی اور فرمایا کہ مجھے کیا ہوگیا ہے کہ میں ہُدہُد کو یہاں نہیں دیکھتا۔ یا پھر وہ ہو گیا ہے۔ غائب ہونے والوں

ہیں یعنی وہ کہاں چلا گیا ہے۔ یہاں پر پانی کی ضرورت ہے۔ وہ اپنی ڈیوٹی
سے کیوں غیر حاضر ہے۔ آپؑ کے اس فرمان کو آپ کی ہُدہُد سے لاعلمی پر قیاس
نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ اس میں حکمت یہ تھی کہ وہ خود دربار میں آکر اپنے
غیر حاضر ہونے کی وجہ بتائے۔ اور علم اور دانائی اُسے از فیضانِ سلیمان
علیہ السلام حاصل ہوئی۔ اُسے مجمع عام میں آپ کے سامنے بیان کرے
تاکہ آنے والی نسلوں کو پتہ چل جائے کہ اللہ والوں کے درباروں میں
رہنے والے جانور بھی بہت بڑے سمجھدار اور دانا ہوتے ہیں۔ ایک مشہور
مقولہ ہے۔ فِعْلُ الْحَکِیْمِ لَا یَخْلُوْ عَنِ الْحِکْمَۃِ۔
یعنی حکیم کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ پھر آپؑ نے تمام رعایا
کو تنبیہہ کرنے کے لئے فرمایا۔ (آیت) لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا
اَوْ لَا اَذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ٥ (ترجمہ) وہ ہم سے
اجازت لے کر نہیں گیا۔ اُسے آنے دو۔ البتہ ضرور اُس کو عذاب کروں گا۔ وہ
اس طرح پر کہ کسی غیر جنس کے جانور کے ساتھ کر دوں گا۔ جو اُسے سزا دے گا۔ یا پھر
میں اُسے اپنے ہاتھ سے ذبح کر دوں گا۔ یا وہ اپنی غیر حاضری کا میرے حضور حاضر
ہو کر کوئی معقول عذر بیان کرے گا۔ تو پھر سزا سے بچ سکے گا۔ (آیت) فَمَكَثَ
غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ
مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ٥ (ترجمہ) تھوڑی سی دیر غیر حاضری
کے بعد ہُدہُد حاضرِ خدمت ہُوا۔ اور اپنی طرف سے کہا کہ حضرت میں نے اپنی
آنکھوں سے اُس مقام کو دیکھا ہے۔ جس کو آپؑ نے ظاہراً نہیں دیکھا۔ اور
میں آپؑ کے پاس مُلک سبا کی پکّی خبر لایا ہوں۔ (نوٹ) بعض بے سمجھ اس
آیت کو پڑھ کر اس کا یہ مطلب نکالتے ہیں۔ کہ دیکھو۔ کہ دیکھو قرآن کہہ رہا

ہے کہ ہُدہُد کا علم سلیمان علیہ السلام کے علم سے زیادہ تھا۔ (معاذ اللہ) جو لوگ نبی کے علم کو جانوروں کے علم سے کم یا اُن جیسا بتائیں یا لکھیں۔ وہ خود جانور ہیں۔ اور قرآن وحدیث کے منکر۔ (۱) سوال پیدا ہوتا ہے۔ پھر ہُدہُد نے ایسا کیوں کہا۔ تو جواب اس کا یہ ہے۔ کہ وہ ہر وقت سفر میں تخت کے اُوپر اُڑتا تھا۔ کبھی غیر حاضر نہیں ہُوا تھا۔ اور اُس نے آپ کو کبھی بھی مُلکِ سبا کی طرف تشریف لے جاتا نہیں دیکھا تھا۔ اور حقیقت بھی یہی تھی۔ کہ آپؑ اُس مُلک کی طرف کبھی تشریف نہیں لے گئے تھے۔

سوال نمبر ۲۔ اگر ایسا ہے تو پھر یہ قرآن شریف میں کیوں وارد ہُوا۔ تو جواب اس کا یہ ہے۔ کہ قرآن شریف نے ہُدہُد کا قول نقل فرمایا ہے۔ اپنی طرف سے یہ نہیں فرمایا۔ کہ ہُدہُد کا عِلم سلیمان علیہ السلام سے زیادہ تھا۔ آگے ہُدہُد اپنی غیر حاضری کا سبب بیان کرتا ہے۔ کہ یا حضرت میں آپؑ کے ساتھ جارہا تھا۔ کہ اچانک ایک ہُدہُد مُلکِ سَبا کا میرے پاس آیا۔ میں نے اُس کو آپ کی شان اور آپ کے تخت و تاج کی تعریف سُنائی۔ سُن کر اُس نے کہا۔ یہ ٹھیک ہے۔ لیکن جس مُلک میں مَیں رہتا ہوں۔ وہ اور اُس کی ملکہ کی شان بھی قابلِ دید ہے۔ میرے دل میں خیال آیا۔ کہ ہمارے بادشاہ حضرت سلیمان علیہ السلام جو بہت بڑے مُلک کے مالک ہیں۔ وہ کون ملکہ ہے جو اُن کی موجودگی میں بڑی شان وشوکت کے ساتھ اپنی علیحدہ مملکت بنائے بیٹھی ہے۔ اُسے دیکھنا چاہیئے۔ با ایں خیال میں اُس کے ساتھ ہو لیا۔ اور مُلکِ سَبا میں جا پہنچا۔ اب ہُدہُد آنکھوں دیکھا حال بیان کرتا ہے۔ بغور پڑھو اور سوچو کہ صحبتِ سلیمان علیہ السلام سے اُس کو کس قدر قوتِ حافظہ عطا ہوئی۔ (آیت) اِنِّیْ وَجَدْتُّ

امْرَاَۃً تَمْلِکُھُمْ وَ اُوْتِیَتْ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ وَّ لَھَا عَرْشٌ عَظِیْمٌ ۝ وَجَدْتُّھَا وَ قَوْمَھَا یَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَ زَیَّنَ لَھُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَھُمْ فَصَدَّھُمْ عَنِ السَّبِیْلِ فَھُمْ لَا یَھْتَدُوْنَ ۝ (ترجمہ) بے شک پایا میں نے ایک عورت کو جو اہلِ سبا پر حکومت کرتی ہے۔ اور اُس کو ہر وہ چیز دی گئی ہے۔ جو اُمورِ سلطنت کے لئے درکار ہوتی ہے اور اُس کا تخت بہت بڑا ہے۔ پھر دیکھا میں نے کہ ملکہ اور اُس کی رعایا سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔ خدا کو چھوڑ کر اور زینت دی واسطے اُن کے شیطان نے اُن کے اعمال کی اور گمراہ کیا اُن کو سیدھی راہ سے پس وہ نہیں ہدایت پاتے۔ مقام غور ہے۔ کہ ایک چھوٹا سا جانور بہت تھوڑی دیر کے لئے اتنی بڑی مسافت طے کر کے واپس آیا۔ اور اپنے ساتھ بہت بڑی معلومات بھی لایا۔ کہ وہ علاقہ نہایت ہی سرسبز و شاداب ہے۔ زرخیز۔ اور میوے بکثرت ہیں۔ فضا بڑی پُرکیف ہے۔ آب و ہوا دلکش ہے۔ علاوہ ازیں وہاں کون حکومت کرتا ہے۔ اُس کے پاس کس قدر سامان ہے۔ نیز اُس کا تخت کس حیثیّت کا ہے۔ اور اُن کا عقیدہ کیا ہے۔ کیا اعمال کرتے ہیں۔ کس نے انہیں سیدھی راہ سے بہکایا ہے۔ یہ ظاہر ہے۔ کہ سب کچھ اُس کو آپ کی صحبت سے حاصل ہُوا تھا۔ جس دربار کے جانور کو اتنا علم ہے۔ اُس دربار والے کے علم کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔ یہ کہنا کہ ہُدہُد کے بتانے سے آپ کو ملک سبا کا علم ہُوا۔ محض باطل ہے۔ کیونکہ آج ایک معمولی طالب دُنیا کا نقشہ دیکھ کر اپنے گھر میں بیٹھا ہُوا۔ بتا سکتا ہے۔ کہ کرۂ عرض پر اتنی آبادی

ہے۔ اور اتنی زمین پر پہاڑ ہیں۔ پھر روس کی کتنی سلطنت ہے۔ اور یہاں سے کس سمت میں واقع ہے۔ الغرض تمام ممالک کے نام اور جائے وقوع اور اُن کے سربراہان کو جانتا ہے۔ آپ علیہ السلام تو خدا تعالےٰ کے نبی ابن نبی اور صاحب مُلکِ عظیم علیہم السلام تھے۔ نیز جنّات جو ایک منٹ سے پہلے ساری دُنیا کا چکّر لگا لیتے ہیں۔ آپ کے تابع فرمان تھے بات صرف اتنی تھی کہ سلیمان علیہ السلام کو اب تک مُلکِ سبا والوں کو تبلیغ کرنے اور اُن سے رابطہ قائم کرنے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہیں ہوا تھا۔ مرضی الٰہی یہی تھی کہ یہ سارا کام بوسیلۂ ہُدہُد کیا جائے۔ تاکہ دُنیا والوں کو دربار سلیمانی کے فیوض و برکات کا اندازہ ہو سکے۔ چنانچہ آپ نے اُس کو فرمایا۔ اچھا تیرے ان بیانات کی تصدیق تجھ ہی سے کراتے ہیں۔ آپ نے ایک گرامی نامہ سبا والوں کی طرف لکھا۔ اور فرمایا۔ کہ بیشک بڑے بڑے طاقتور جنّات موجود ہیں۔ اور باقی جانوروں میں بھی صاحب طاقت میرے پاس موجود ہیں۔ لیکن ہم تیرے علم و دانش کو دُنیا میں مشتہر کرنا چاہتے ہیں۔ اِس لئے یہ خط تجھ کو ہی ملکۂ سبا کو پہنچانا ہو گا۔ دیکھو قرآن پاک۔ قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ۝ (نوٹ) یہاں پر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ آیات کا ترجمہ لکھنے سے پہلے آپ کے خط کا مضمون تحریر کیا جائے۔ سو مضمون اُس کا یہ تھا۔ یہ خط نبی سلیمان ابن داؤد علیہ السلام کی طرف سے بنام ملکہ بلقیس شروع اللہ رحمان و رحیم کے نام سے سلام اُس پر جو تابع ہدایت ہُوا۔ مقصد یہ ہے۔ کہ مجھ پر سرکشی نہ کرو۔ میرے حضور مسلمان ہو کر حاضر ہو جاؤ۔

(ترجمہ آیات) کہا کہ ہم ابھی دیکھتے ہیں۔ کہ تو سچا ہے۔ یا کہ جھوٹ بولنے والوں میں سے یہ میرا خط لے جا۔ پس ڈال اس کو طرف اُن کی پھر علیحدہ ہو اُن سے پس دیکھ کہ ساتھ کس چیز کے پھرتے ہیں وہ یعنی یہ ہمارا خط لے کر سیدھا مُلک سبا کو جا اور اُن کی ملکہ کو پہنچا۔ پھر جو جواب وہ تمام مشورہ کرکے دیں میرے پاس لا۔ چنانچہ ہُدہُد خط لے کر پوری رفتار سے اُڑا۔ اور دارالحکومت میں اُس وقت پہنچا کہ کچہری برخاست ہو چکی تھی۔ دوپہر کا وقت تھا۔ ملکہ اپنے شاہی محل میں آرام کر رہی تھی۔ کوئی دُنیا کے بادشاہوں کا چٹھی رساں ہوتا۔ تو سو قسم کی تدبیریں اُسے کرنی پڑتیں۔ کئی دربانوں سے اجازت لینی پڑتی۔ پھر بمشکل ملکہ تک اُس کی رسائی ہوتی۔ مگر یہ شہنشاہِ دین و دنیا علیہ السلام کا قاصد تھا۔ سیدھا اُس محل کی طرف گیا۔ اور جھروکے سے داخل ہو کر مکتوبِ گرامی کو بلقیس کے سینے میں ڈال دیا۔ اور خود باہر نکل کر تختِ بلقیس کے پاس ایک طرف جواب کا منتظر کھڑا ہو گیا۔ بلقیس نے جب اُس مبارک خط کو پڑھا۔ تو اُس پر رُعب طاری ہُوا۔ اور کانپنے لگی۔ اور سوچ میں پڑ گئی۔ کہ اس وقت میں اتنے سخت پہرے اور دروازہ بند ہونے کے باوجود یہ خط اور پھر اس میں اتنی بزرگ ہستیوں کا ذکر یہ واقعہ طاقتِ بشری سے باہر ہے۔ فی الفور اُٹھی اور تخت پر جا بیٹھی اور تمام اراکینِ سلطنت اور وزیروں۔ مشیروں کو طلب کیا۔ جب تمام حاضر ہوئے تو خط پڑھ کر سب کو سُنایا۔ اور اس کا جواب دینے کے لئے مشورہ طلب کیا دیکھو قرآن شریف۔ قَالَتْ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّیْۤ اُلْقِیَ اِلَیَّ كِتٰبٌ كَرِیْمٌ ۝ اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَ اْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ۝ قَالَتْ

يَاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا تَشْهَدُوْنِ ٥ (ترجمہ) بولی اے سردارو۔ بیشک ڈالا گیا ہے۔ میری طرف ایک خط بزرگ بے شک وہ سلیمان علیہ السلام کی طرف سے آیا ہے۔ اور بسم اللہ شریف سے شروع کیا گیا ہے۔ اور اُس کا مضمون یہ ہے۔ کہ مجھ پر سرکشی نہ کرو۔ سارے مسلمان ہو کر میرے پاس آجاؤ۔ بولی اے سردارو مشورہ دو مجھ کو بیچ میرے اِس کام کے میں کبھی کوئی فیصلہ نہیں کرتی۔ کہ تم میرے پاس حاضر نہ ہو۔ جناب بلقیس نے خط کو کریم یعنی بزرگ دو وجہ سے کہا۔ اولاً تو اللہ جل جلالہٗ کے نام پاک سے شروع کیا گیا تھا۔ دوم اُس پر سلیمان علیہ السلام کی مُہر تھی۔ اس ادب کے صلے میں اُس کو دولتِ ایمان اور زوجیتِ سلیمان علیہ السلام نصیب ہوئی۔ الغرض ملکہ کی زبانی خط کا مضمون اور طلب مشورہ کو سُن کر تمام درباری یک زباں ہو کر بولے۔ (قرآن پاک) قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّ اُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ وَّ الْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ٥ (ترجمہ) بولے ہم صاحب قوت ہیں۔ اور سخت لڑنے والے اور فیصلہ کرنا تیرے ذمّے ہے۔ پس کر جو تو کرتی ہے۔ یعنی تمام وزیروں اور امیروں نے کہا۔ کہ ہم نہایت صاحب قوت جنگجو بہادر تجربہ کار ہیں۔ ہمارا کام مشورہ دینا نہیں ہم تو حکم کے بندے ہیں۔ جو تیرے دل میں آتا ہے۔ بے جھجک فرمان کر فی الفور اُس کی تعمیل ہوگی۔ یہ متکبّرانہ جواب سُن کر ملکہ سمجھ گئی۔ کہ ان کا ارادہ جنگ کرنے کا ہے۔ تو اُس نے جنگ کی تباہ کاریوں اور خرابیوں سے اُن کو آگاہ کیا جس کو قرآن شریف نے یوں بیان کیا ہے (آیت) قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ

اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْا اَعِزَّةَ اَهْلِهَا اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ○ (ترجمہ) کہا ملکہ نے کہ بیشک بادشاہ جب کسی بستی میں حملہ آور ہو کر داخل ہوتے ہیں۔ بادشاہ اسی طرح ہی کیا کرتے ہیں۔ یعنی جنگ کرنا کوئی کھیل تماشا نہیں۔ اس سے مُلک برباد ہو جاتے ہیں۔ عزّت والوں کو بے عزّت کیا جاتا ہے۔ اُنہیں در بدر کی ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں۔ دوسرے مُلک میں پناہ لینی پڑتی ہے۔ اس میں میری مرضی یہ ہے۔ (قرآن پاک) وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌ ۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ○ (ترجمہ) بے شک میں بھیجنے والی ہوں۔ اُن کی طرف تحفہ۔ پھر دیکھتی ہوں کہ تحفہ پیش کرنے والے کس جواب کے ساتھ ہمارے پاس آتے ہیں۔ یہ کہہ کر اُس نے پانچ سَو غلام اور پانچ سَو لونڈیاں بہترین لباس میں بہت عمدہ زینت ناک سواریوں پر سوار کر کے اور مُشک عنبر کافی وزن میں اور ایک بڑا قیمتی تاج نیز پانچ سو اینٹ سونے کی انہیں خدمتِ سلیمان علیہ السلام میں بھیجا۔ اجلاس کی تمام کاروائی ہُدہُد نے بغور سُنی۔ جب قافلہ روانہ ہُوا۔ تو وہ بہت پھُرتی سے دربار میں جا پہنچا۔ اور بلقیس کے وفد کے آنے سے پہلے ہی سارا واقعہ مُفصّل طور پر آپؑ کے سامنے بیان کر دیا۔ یہ سُن کر سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا۔ کہ ستائیس مربع میل میں سونے کی اینٹوں کا فرش لگا دیا جائے۔ اور اُس کے آس پاس سونے اور چاندی کی اینٹوں سے دیوار کھڑی کی جائے۔ اور خشکی تری کے اعلیٰ قسم کے جانور لائے جائیں۔ نیز جنّوں کے بچے بھی حاضر کئے جائیں۔ یہ سارا کام وفد کے آنے سے پہلے ہو جانا چاہئے۔

لہٰذا تمام انتظامات فوری طور پر کر دیئے گئے۔ آپ نے اپنا تخت مبارک اُس فرش کے بیچ میں رکھوایا۔ اور خود اُس پر جلوہ افروز ہوئے۔ آس پاس اراکینِ سلطنت اور وزراء و اُمراء علماء و حکماء کی کرسیاں تھیں۔ جب بلقیس کا بھیجا ہُوا وفد حاضرِ دربار ہوُا۔ تو جو گفتگو اُس کے ساتھ آپ علیہ السلام نے فرمائی۔ اُس کو قرآن شریف نے ان آیات میں بیان فرمایا ہے۔ (آیت) فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ۝ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝ (ترجمہ) پس جب آیا وہ قافلہ سلیمان علیہ السلام کے پاس تو کہا۔ کیا تم میری امداد کرتے ہو۔ ساتھ مال کے۔ پس جو کچھ عطا کیا ہے مجھے میرے ربّ نے بہتر ہے اُس سے جو دیا تم کو۔ بلکہ تم ایک دوسرے کے ہدیے پر خوش ہوتے ہو۔ پھر جاؤ طرف اُن کی پس ضرور آئیں گے۔ ہم اُن کے پاس ساتھ ایسے لشکر کے جس کے ساتھ اُنہیں مقابلہ کرنے کی طاقت نہ ہوگی۔ اور ہم اُنہیں ذلیل کر کے اُن کے مُلک سے نکال دیں گے۔ خلاصہ یہ ہے۔ کہ جب قافلے والوں نے مل کر کے تحفہ جات آپ کے سامنے پیش کئے۔ تو آپ نے غصے کے لہجہ میں فرمایا۔ کہ کیا تم اِس معمولی سے مال کے ساتھ میری مدد کرنے آئے ہو۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔ کہ یہاں میلوں تک سونا چاندی اور جواہرات پڑے ہیں۔ جو پاؤں سے روندے جا رہے ہیں۔ اور جس مخلوق کو انسانی آنکھ نے کبھی نہیں دیکھا۔ یہاں موجود ہے۔ مجھے میرے ربّ نے دین و دنیا کی شہنشاہی عطا فرمائی ہے۔ یہاں پر تمہارے مال و لشکر

کی کیا حقیقت ہے۔ تمہارا یہ خیال ہوگا۔ کہ مال دنیا دے کر مجھ سے چھٹکارا حاصل کرو۔ اور بدستور کفر و شرک کرتے رہو۔ یہ دُنیاوی تحائف لے کر دُنیا دار ہی خوش ہوتے ہیں۔ ہم دینِ حق کی تبلیغ کرنے کے لئے دُنیا میں بھیجے گئے ہیں۔ لہٰذا اپنا ساز و سامان لے کر واپس اپنی ملکہ کے پاس جاؤ۔ اور اُسے ہمارا حکم پہنچاؤ کہ اگر اپنی رعیت سمیت مسلمان ہو کر میرے پاس حاضر ہو جائے تو فبہا۔ ورنہ ہم ایسا جرار لشکر لے کر خود اُس کے مُلک پر حملہ آور ہوں گے۔ جس کا مقابلہ ناممکن ہوگا۔ یہ فرمان آپؑ کا سُن کر مُلک سبا کی طرف واپس ہوئے۔ اور دربارِ بلقیس میں اُن لوگوں نے تمام آنکھوں دیکھا حال سُنایا۔ اور حکم سلیمانی سے اُسے آگاہ کیا۔ اِدہر ملکہ نے یہ سب کچھ سُنا۔ اور اُدھر سے سلیمان علیہ السلام کی توجہ کام کر گئی۔ اُس کے دل میں نورِ ایمان چمکا۔ اور سرِ اجلاس بے ساختہ کہا۔ کہ غور سے سنو اور دل کی گہرائیوں میں اُتارنے کی کوشش کرو۔ حضرت سلیمانؑ خُدا کے سچے نبی ہیں۔ اگر بادشاہ ہوتے تو مالِ دُنیا پر خوش ہو جاتے۔ ہمیں اُن کے مقابلے کا خیال بھی دل میں نہیں لانا چاہیئے۔ کیونکہ نبیوں اور ولیوں کی بے ادبی کرنا۔ یا اُس کا دل میں ارادہ ہی کر لینا۔ تباہی و بربادی کا باعث ہوتا ہے۔ اگر میری مانو تو سب اسلام قبول کرو۔ اور رختِ سفر باندھو۔ کہ اُن کے حضور حاضر ہو کر اُن کی غلامی کا پٹہ اپنی گردنوں میں ڈالیں۔ اور جو عمر ہم نے کفر و شرک میں گزاری ہے۔ اُس کی معافی کی اُن سے دُعا کرائیں۔ ملکہ کا یہ حکم سُن کر تمام درباری متفقہ طور پر قبولِ اسلام پر رضامند ہوئے۔ اور ملکہ سمیت سب نے بسوئے سلیمان علیہ السلام تیاری شروع کی۔ ملکہ نے آگے پیچھے سات مکانوں میں سے پچھلے مکان میں اپنا تخت رکھوا کر

ساتوں کو مقفل کر دیا۔ پھر بڑی شان وشوکت اور بے شمار لشکر کے ساتھ جس میں بارہ ۱۲ ہزار تو صرف کمانڈر ہی تھے روان ہوئی۔ اب حضرت سلیمان علیہ السلام کا علم دیکھو۔ کہ اُس کا کس طرح اظہار فرماتے ہیں۔ ادہر ملکہ اپنے شہر سے باہر نکلی۔ اُدھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اُن سب کے مسلمان ہونے اور اپنی طرف آنے کی درباریوں کو خبر دی۔ جب ملکہ آپؑ کے دربار سے صرف ایک میل دُور رہ گئی۔ چونکہ اسلام کا یہ اصول ہے کہ جو تم سے تواضع کے ساتھ پیش آئے۔ اُس کے ساتھ تم بھی ایسا ہی برتاؤ کرو۔ اور جو اپنی شان وشوکت دکھلائے۔ تم بھی اپنی خداداد کرّ وفر کے ساتھ اُس کے سامنے آؤ۔ لہٰذا آپؑ نے خیال کیا۔ کہ ملکہ بڑی طمطراق کے ساتھ آرہی ہے۔ اُس کو اس دربار کے خادموں کی شان اور طاقت خداداد کا مشاہدہ کرانا چاہیئے۔ لہٰذا تمام درباریوں کو مخاطب کیا۔ (آیت) قَالَ يَاأَيُّهَا الْمَلَؤُا أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَنْ يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ٥ (ترجمہ) کہا۔ اے درباریو۔ بولو۔ تم میں کوئی ایسا ہے جو ان سب لوگوں کے مسلمان ہو کر میرے پاس آنے سے پہلے تخت بلقیس کو میرے پاس حاضر لادے۔ اس کا جواب۔ (آیت) قَالَ عِفْرِيتٌ مِّنَ الْجِنِّ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِنْ مَّقَامِكَ ۖ وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ ٥ (ترجمہ) ایک سرکش جنّ نے کہا۔ حضور میں اُس کو آپؑ کی کچہری برخاست کرنے سے پہلے لا سکتا ہوں۔ اتنی دیر میں تو لانے کی مجھ میں طاقت بھی ہے اور میں اُسے بحفاظت لاؤں گا کسی قسم کی خیانت

نہیں کروں گا۔ یہ سُن کر آپ علیہ السلام نے فرمایا۔ اس کا مطلب تو یہ ہُوا۔ کہ تُو تین چار گھنٹوں میں اُسے لائے گا۔ اِتنا سُست رفتار ہمیں نہیں چاہئے۔ ملکہ تو صرف ایک میل کے فاصلے پر چلی آرہی ہے۔ ہم تو اس سے پہلے اُس کے تخت کو اپنے قدموں میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہاں پر یہ بھی سمجھ لو کہ تختِ بلقیس کس حیثیت کا تھا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اُس کی لمبائی اسّی (۸۰) گز اور چوڑائی چالیس (۴۰) گز تھی۔ لعل و جواہرات سے مُرصع ہر قسم کی زینت سے مزّین تھا۔ یہ خود اندازہ کرو۔ کہ اُس کا وزن کتنا ہو گا۔ (حاصل مطلب) جب جِنّ کی درخواست مسترد ہوئی۔ تو انسانوں میں سے آپ کے فیضِ خاص سے فیضیاب آپ کی توجۂ کامل کا پروردہ آپؑ کا وزیر آصف نامی کھڑا ہُوا جس کے پاس کتاب کا علم تھا۔ دیکھو قرآن مجید کی آیت۔ قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ ؕ (ترجمہ) کہا اُس بزرگ نے جس کے پاس تھا کچھ علم کتاب کا کہ حضرت میں آپ کے آنکھ مبارک جھپکنے سے پہلے اُس کو آپ کے قدموں میں لاؤں گا۔ یہ سُن کر آپؑ نے فرمایا۔ کہ بہت خوب۔ ہمیں اس وقت ایسے تیز رفتار ولیٔ کامل کی ہی ضرورت ہے۔ جِنّ کی درخواست قبول نہ کرنے کی ایک یہ وجہ بھی تھی۔ کہ جِنّوں کی طاقت فطری ہے۔ جو ہر کافر و مومن جِنّ کو حاصل ہے۔ آپؑ کا ارادہ یہ ہُوا۔ کہ آج سبا والوں اور اپنے درباریوں کو وہ طاقت دکھانی چاہیئے جسے روحانی کہتے ہیں۔ اور وہ خُدا کی توحید اور فیضِ نبیؑ اور اتباعِ شریعت سے حاصل ہوتی ہے۔ اور جِن میں یہ ہوتی ہے۔ انہیں

اولیاءُ اللہ کہتے ہیں۔ اب موازنہ کرو۔ کہ جنّ کی طاقت سے ولیِ کامل
کی طاقت کس قدر زیادہ ہے۔ کہ جس کام کو جنّ تین چار گھنٹوں میں
کر سکتا ہے۔ ولیٔ کامل روحانی طاقت سے اُس کو آنکھ جھپکنے سے پہلے
کر سکتا ہے۔ اس سے اُن بے دینوں کو سبق سیکھنا چاہیئے۔ جو ولیوں کے
تصرّف اور روحانیّت کے انکاری ہیں۔ یہاں پر ایک بات ذہن میں
آتی ہے۔ کہ یہ تخت لانے کا کام سلیمان علیہ السلام نے خود کیوں نہیں
کیا۔ اِس کا جواب اُوپر لکھا جا چکا ہے۔ کچھ اور عرض کرتا ہوں۔ کہ آپؑ
کی قدرت و تصرّف کے نزدیک اس کام کی کوئی اہمیّت نہ تھی۔ آپؑ نے
دکھا دیا۔ کہ یہ کام تو ہمارے دربار کے ولی کر سکتے ہیں۔ الغرض۔ آپؑ نے
آصف ولی کی بات سُن کر اپنی نظر اُوپر اُٹھا کر فوراً نیچے کی تو تختِ بلقیس
آپ کے قدموں میں تھا۔ (سُبْحَانَ اللّٰہِ) اللہ تعالےٰ اپنے
اولیاء کو کس قدر طاقت عطا فرماتا ہے حضرت آصف نے نہ تو کوئی
سواری وغیرہ کا انتظام کیا۔ نہ ہی کسی سے ملک سبا کا رستہ اور تخت
کا محلِ وقوع دریافت کیا۔ اور نہ ہی اپنی جگہ سے ایک لحظہ کے لئے غائب
ہوُا۔ بلکہ ایک قدم بھی آگے پیچھے نہیں ہوُا۔ اور تخت کو حاضر کر دیا۔ اُس
کا یہ اتنا بڑا مافوقُ الاسباب کارنامہ دیکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام
نے حاضرین کے سامنے ایک مسئلہ بیان کیا۔ جس کا عقیدے کے ساتھ گہرا
تعلق ہے۔ فرمایا۔ اے لوگو یہ عظیم الشان کام اس کی ذاتی طاقت سے
ظہور پذیر نہیں ہوُا۔ بلکہ ھٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ۔ یہ میرے
رَبّ کے فضل اور اُس کی عطا سے ہے۔ اور وہ جس پر چاہتا ہے۔ اپنا فضل
کرتا ہے۔ اور میں تمہیں یہ بھی بتا دُوں کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کو یہ طاقت

دے کر مجھے پرکھا ہے۔ کہ آیا میں اُس کا شکر کرتا ہوں۔ یا ناشکری۔ اس کے بعد آپ نے چاہا۔ کہ کچھ کمالات و تصرفات اپنی حکومت کے ملکہ کو اور دکھانے چاہئیں۔ تاکہ اُس کی عقل کا امتحان اور اُس کا یقین و ایمان پختہ ہو۔ چنانچہ آپ نے حکم دیا۔ کہ اُس کے آنے سے پہلے تخت کے موتیوں کو ادل بدل کر دو۔ تاکہ ہم دیکھیں۔ کہ وہ اُس کو پہچانتی ہے۔ یا نہیں۔ فوراً تعمیل حکم ہوئی۔ (قرآن پاک) فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهٰكَذَا عَرْشُكِ ۖ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ ۚ وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِن قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ ۝ (ترجمہ) پس جب آئی ملکہ تو کہا گیا واسطے اُس کے یہ عرش جو تیرے سامنے موجود ہے۔ کیا تیرا تخت بھی اس جیسا ہے۔ اُس نے دیکھا کہ کسی قدر تبدیلی ہے۔ اور عام ساخت تو میرے تخت جیسی ہے۔ تو اُس نے کمال عقلمندی سے جواب دیا۔ کہ ہاں گویا وہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ پھر بولی کہ حضور والاشان ہمیں تو واقعہ ہُد ہُد اور وفد کے ذریعے سے آپ کے اختیاراتِ کثیرہ اور حکومتِ عظمیٰ کا علم ہو چکا ہے۔ ہم تو آپ کے مطیع ہو چکے ہیں۔ پھر آپؑ نے جاری پانی پر جس میں مچھلیاں تیر رہی تھیں۔ شیشے کا صاف و شفاف فرش لگوایا۔ اور اُس پر اپنا تخت رکھوایا۔ پھر ملکہ کو اپنے پاس طلب کیا۔ ملکہ جب فرش کے قریب آئی تو اُس نے پانی خیال کر کے اپنا کپڑا پنڈلیوں تک چڑھایا۔ اس پر سلیمان علیہ السلام نے فرمایا۔ (قرآن پاک) إِنَّهُ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّن قَوَارِيرَ (ترجمہ) اے ملکہ یہ تو چکنا شیشے کا بنا ہوا فرش ہے۔ یہ سُن کر اُس نے اپنی پنڈلیاں ڈھانک لیں۔ اور آپ کے

پاس حاضر ہو کر یوں دُعا کی۔ قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (ترجمہ) کہا اُس نے کہ اے میرے رَبّ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ کہ اپنی عمر شرک میں گزاری۔ اب میں ایمان لائی ہوں۔ ساتھ سلیمان علیہ السلام کے واسطے رب العالمین کے۔ چنانچہ وہ دولتِ ایمان سے مالا مال ہونے کے علاوہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حرموں میں داخل ہوئی۔ سچ ہے۔ کہ با ادب بامراد اور بے ادب نامراد۔

ایک اور واقعہ آپ کی آخری عمر کا جس کا کچھ حصہ تو پارہ نمبر ۲۲ سورہ سبا کے رکوع نمبر ۲ میں ہے۔ باقی تفاسیر میں مذکور ہے۔ یہ دُنیا جب سے آباد ہوئی ہے۔ اُسی وقت سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے اس میں موجود رہے ہیں۔ اور قیامت سے کچھ مدّت پہلے تک رہیں گے۔ ہر زمانے میں عبادت بجا لانے کے لئے عبادت خانے تعمیر کرتے رہے۔ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے بحکم خدا بیت اللہ شریف بنایا۔ پھر ابراہیم و اسمٰعیل علیہ السلام نے اس کی تعمیر نَو کی۔ الغرض تمام انبیاء و اولیاء علیہم السلام اپنے اپنے زمانے میں اللہ کے لئے مسجدیں تعمیر کرتے اور کراتے رہے۔ ہمارے آقا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مہاجرین و انصار کے ساتھ مل کر اینٹیں اُٹھائیں اور اور مسجدِ نبویؐ کو تعمیر فرمایا۔ سورہ توبہ رکوع نمبر ۳ کی آیت نمبر ۲ میں مسجدوں کی تعمیر اور اُن کی آبادی ایمان کی نشانی اور اُوپر والی آیت میں اُن کو برباد کرنا مشرکین کی خصلت بیان کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج رُوئے زمین پر جتنے مزارات اولیاء ہیں۔ قریباً ہر ایک کے

پاس مسجد موجود ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ ان حضرات کو مسجدُ اللہ سے کس قدر محبت تھی۔ جو لوگ یا تو خود بڑے باکمال پیر ہونے کے مدعی ہیں۔ یا پھر اپنے تئیں بڑے بڑے بزرگوں کے مُرید کہلاتے ہیں۔ اُن کو ان اُوپر کی سطور کو بغور پڑھ کر سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ الغرض حضرت داؤد علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر تو شروع فرمائی۔ کیونکہ ویسے تو وہ تعمیرِ کعبہ کے چالیس سال بعد زمانۂ آدم علیہ السلام میں ہی بن چکا تھا (دیکھو حدیث ابن ماجہ شریف) ہنوز تعمیر مسجد کا بہت کام باقی تھا۔ کہ داؤد علیہ السلام اس دارِ فانی کو چھوڑ کر دار البقاء کو تشریف لے گئے۔ پھر یہ کام حضرت سلیمان علیہ السلام نے سرانجام دینا شروع کیا۔ اس میں آپؑ نے جنّات کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ بڑے بڑے نہایت قیمتی پتھر اور بیش بہا موتی لا کر مسجد میں لگاتے۔

عزیزو۔ انسان کی چاہت کچھ اور ہوتی ہے رحمان کی اور بالآخر وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِہٖ۔ کہ اللہ کا امر سب پر غالب ہے۔ خدا کا یہ اٹل بے بدل قانون ہے۔ کہ ہر جاندار کو موت ہے۔ اس کے مطابق انبیاء علیہم السلام کو بھی قانونِ الٰہی کی تکمیل کے واسطے ایک آن کے لئے موت آئی۔ پھر وہ بدستورِ سابقہ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوئے۔ نمازیں پڑھتے ہیں۔ باذن اللہ جہاں چاہیں تشریف لے جاتے ہیں۔ ابھی تعمیر مسجد میں ایک سال کا اور کام تھا۔ کہ سلیمان علیہ السلام کے وصال شریف کا وقت آگیا۔ آپؑ کے قلب شریف میں اس بات کا غم پیدا ہُوا۔ کہ ابا جی علیہ السلام اس کام کو نامکمل چھوڑ کر سیارۂ خُلدِ بریں ہوئے۔ اب میری وفات کا وقت بھی آپہنچا ہے۔

آپؑ نے نہایت تضرّع و زاری سے دُعا کرتے ہوئے عرض کی کہ الٰہی مجھے موت کا ڈر نہیں۔ یہ تو ایک پُل ہے۔ جو دوست کو دوست کی طرف پہنچاتی ہے۔ فکر صرف اس بات کا ہے۔ کہ یہ جنّات جو مسجد کی تعمیر کر رہے ہیں۔ میرے سامنے تو کان نہیں ہلاتے۔ میرے بعد اس کام کو ادھورا چھوڑ کر فوراً بھاگ جائیں گے۔ میں تجھ سے دُعا کرتا ہوں۔ کہ میری وفات کا جنّات کو ایک سال تک علم نہ ہو۔ تاکہ وہ مسجد کو پوری طرح تعمیر کر دیں۔ سبحان اللہ ان محبوبانِ خُدا کو دین اور اُس کے عبادت خانوں سے کس قدر پیار ہوتا ہے چنانچہ دُعا آپؑ کی مقبول ہوئی۔ دیکھو پارہ نمبر ۲۲ سورہ سبا رکوع نمبر ۲۔ (آیت) فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ ۖ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ۝ (ترجمہ) پس جب بھیجی ہم نے اُوپر اُس کے موت تو نہ خبر دی۔ اُن کو اُس کی موت کی۔ مگر زمین کی دیمک نے کہ اُس کا عصا کھاتی تھی۔ پس جب وہ گِرا۔ تو ظاہر ہوگیا، کہ جنّ اگر غیب جانتے ہوتے۔ تو نہ ٹھہرتے۔ بیچ سخت محنت کے آپ کی وفات کا وقت آیا۔ تو حکم پروردگار ہُوا۔ کہ آپ محراب میں عصا پر تکیہ کر کے کھڑے ہو جائیے گا۔ آپؑ نے تعمیل ارشاد کی تو آپ کی وفات حسرت آیات واقع ہو گئی۔ خدا کی قدرت کا کرشمہ دیکھو۔ کہ آپؑ ایک سال تک اُسی حالت پر محراب میں قیام پذیر رہے۔ اور جنّات برابر کام کرتے رہے۔ اُن کو کوئی شبہ اس لئے نہ ہُوا۔ کہ پہلے بھی آپؑ بہت لمبا قیام فرمایا کرتے تھے۔ نیز حق تعالیٰ نے اُن کی توجہ کو آپؑ کی

طرف سے بایں وجہ پھیر دیا تھا۔ کہ جن غیب دان ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ حالانکہ ذاتی علمِ غیب میرے لئے ہے اور میری تعلیم سے میرے خاص بندوں کو بقدرِ مراتب حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک سال کے بعد مسجد مکمل ہوگئی۔ تو بحکمِ خدا دیمک نے آپ کے عصا شریف کو کھایا۔ اور آپؑ سجدہ کرتے ہوئے زمین پر آرہے۔ جب جنّوں کو آپؑ کی وفات کا علم ہوُا۔ اور فی الفور اپنی زبانی یہ اقرار کرتے ہوئے۔ بھاگ گئے۔ کہ اگر ہمیں علمِ غیب ہوتا۔ تو اُن کی وفات کو بروقت جان لیتے اور ایک سال تک اس دُکھ دینے والے عذاب میں کیوں گرفتار رہتے۔ ختم ہُوا واقعہ سلیمان علیہ السلام کا اب ایک نظر اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ڈالتے ہیں۔ پھر آگے چلیں گے۔ اعلیٰ حضرت امام اہلسنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

(شعر) اور نبیوں کو ملا معجزہ ایک ایک — معجزہ بن کے آیا ہمارا نبی ؐ

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بچپن میں ہر دلعزیز فیصلے فرمائے لیکن ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا صرف ایک ہی فیصلہ نقل کرتا ہوں۔ جس سے آپ کی فقاہت و ذہانت کا اندازہ ہوگا۔ آپ کی عمر شریف چھوٹی تھی کہ قریش نے کعبے کو از سرِ نو تعمیر کیا۔ جب حجرِ اسود لگانے کا وقت آیا۔ تو ہر قبیلہ چاہتا تھا۔ کہ یہ سعادت ہمیں حاصل ہو۔ اُس پر کافی لے دے ہوئی۔ یہاں تک کہ نوبت لڑائی تک جا پہنچی۔ اُن کے دانا لوگوں نے کہا کہ لڑنا اچھا نہیں۔ ہماری رائے یہ ہے کہ کسی ثالث سے فیصلہ کروالیا جائے۔ اور جو کل علی الصبح پہلے کعبہ شریف میں آئے۔ اس کو ثالث سمجھا جائے۔ اس پر تمام قریش خوش ہوگئے۔

دوسرے دن سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کعبہ میں تشریف لائے۔ سب لوگ آپ کو دیکھ کر خوشی سے کہنے لگے۔ کہ محمدؐ، امین۔ محمدؐ، صدیق آئے۔ بہترین فیصلہ فرمائیں گے۔ چنانچہ آپؐ نے ایک چادر بچھا کر حجرِ اسود کو اس میں رکھ دیا۔ پھر فرمایا۔ کہ قریش کے تمام قبائل سے ایک ایک آدمی آکر اسے اُٹھاؤ۔ چنانچہ اُنہوں نے اس طرح مل کر اُٹھایا۔ جب اُس جگہ کے پاس پہنچے۔ جہاں اُسے نصب کرنا تھا تو آپؐ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے پکڑ کر حجر اسود کو نصب کر دیا۔ یہ فیصلہ نہایت ہی منصفانہ تھا۔ اس کی وجہ سے سینکڑوں آدمی قتل سے محفوظ رہے۔ لہٰذا تمام قریش نے اُسے خندہ پیشانی سے قبول کیا۔ اور آپؐ کی خداداد لیاقت کی بہت تعریف کی۔ سلیمان علیہ السلام کو تو اُن کی بولیاں سکھائی گئیں۔ جن کے منہ میں زبانیں ہیں۔ اور بولتے ہیں مگر شانِ مصطفٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دیکھو۔ آپؐ نے بے زبانوں کو زبانیں دیں۔ اور پھر اُن کی بولیاں خود بھی سمجھیں۔ اور غلاموں کو بھی سمجھا دیں۔ حدیث نمبر ۱۔ دیکھو۔ مشکوٰۃ۔ ایک کھجور کی سوکھی لکڑی جس کو ستونِ حنانہ کہتے ہیں۔ جو آپؐ کے عشق میں پھوٹ پھوٹ کر روئی۔ اور آپؐ سے کلام بھی کی۔ جس کو مجمعِ صحابہؓ نے سُنا۔

حدیث نمبر ۲۔ حضرت عقیل برادر علی المرتضٰے رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔ کہ میں ایک سفر میں نبی کریم علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ جو عجیب واقعات میں نے دیکھے۔ اُن میں سے ایک یہ ہے۔ کہ چلتے چلتے مجھ پر پیاس کا غلبہ ہوا۔ میں نے اُس کی شکایت آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کی۔ حکم ہوا۔ کہ جاؤ وہ پہاڑ جو قریب میں ہی واقع ہے۔ اُسے جا کر کہہ دو کہ مجھے

نبی کریم علیہ السلام نے تیرے پاس بھیجا ہے۔ مجھ کو پانی پلادے۔ چنانچہ میں نے اسی طرح جا کر پہاڑ کو آپ علیہ السلام کا پیغام دیا۔ جس کو سُن کر پہاڑ بزبان فصیح بولنے لگا۔ اور رو کر کہا۔ کہ افسوس میں آج مہمانِ مصطفےٰ علیہ السلام کی خدمت سے قاصر رہا۔ حضرت۔ پانی تو مجھ میں بہت تھا۔ مگر ایک دن ایک قاری کا میرے پاس سے گزر ہُوا جس نے یہ آیت پڑھی۔ جس کا یہ مطلب ہے۔ کہ اے لوگو۔ (آیت قرآن پاک) اُس جہنم سے ڈرو۔ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ اُسی دن سے اللہ تعالےٰ کے خوف سے رو رو کر میں نے اپنا سارا پانی خشک کر لیا ہے۔

حدیث نمبر ۳ از مشکوٰۃ۔ علاماتِ قیامت میں ہے۔ کہ ایک وقت ایسا آئے گا۔ جب مسلمان تمام دُشمنانِ دین پر فتحیاب ہونگے۔ کوئی کافر اگر پتھر یا درخت کے پیچھے چھُپے گا۔ تو وہ بآواز بلند پُکاریں گے۔ اے مسلمان سپاہی یہ دیکھ ہمارے پیچھے کافر چھُپا ہے۔ تو وہ اُسے آکر قتل کر دے گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت رُوئے زمین پر تھی۔ مگر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زمین کے خزانوں کی کُنجیاں عطا ہوئیں۔ دیکھو بخاری شریف۔ نیز فرماتے ہیں۔ ہمارے دو وزیر زمین میں اور دو وزیر آسمان میں رہتے ہیں۔ جس سے ثابت ہُوا۔ کہ آپ علیہ السلام زمینوں۔ آسمانوں اور جو کچھ اُن میں ہے۔ سب کے شہنشاہ ہیں۔ اعلیحضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

(شعر) میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہیں مالک کے حبیب
یعنی محبوب و مُحب میں نہیں میرا تیرا

سلیمان علیہ السلام کے تابع جنّات تھے۔ مگر دربارِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم

کی یہ شان ہے۔ کہ اُن کے بے شمار ایسے خدّام ہیں۔ کہ جنّات اُن کے اشارے پر چلتے ہیں۔ اور اُن کی مقرر کردہ ڈیوٹیوں کو سرانجام دیتے ہیں۔ ایسے واقعات سے کتابیں بھرپور ہیں۔ یہاں صرف ایک واقعہ نقل کرتا ہوں۔
ایک آدمی کی نوجوان لڑکی مغرب کے بعد مکان کے چھت پر چڑھی۔ اور وہیں سے غائب ہو گئی۔ اُس نے یہ واقعہ شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں عرض کیا۔ سُن کر آپؒ نے فرمایا۔ کہ جنگل میں چلا جا اور ایک جگہ بیٹھ کر یہ وظیفہ پڑھ۔ مطلب تیرا خود بخود پورا ہو گا۔ چنانچہ اُس آدمی نے ایسا ہی کیا۔ ابھی تھوڑی دیر گزری تھی۔ کہ جنّوں کا بادشاہ گھوڑے پر سوار اُس کے پاس آیا۔ اور پوچھا کہ اے بندۂ خدا تجھ کو کیا حاجت ہے۔ جو ہمیں بلایا ہے۔ اُس نے کہا مجھ کو شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھیجا ہے۔ جب اُس نے آپ کا نام گرامی سُنا تو گھوڑے سے فوراً اُترا۔ اور زمین پر بیٹھ گیا۔ اور کہا کہ ہم تو اُن کے غلاموں کے غلام ہیں۔ بتاؤ بھی تمہارا کیا مقصد ہے۔ اُس نے اپنی لڑکی کی گمشدگی کا قصہ سُنایا۔ اس پر جنّوں کے بادشاہ نے اُسی جگہ کچہری لگائی۔ اور تمام جنّوں کو طلب کیا۔ اور پوچھا کہ تم میں سے اگر کسی کو اس آدمی کی گمشدہ لڑکی کے متعلق علم ہو۔ تو بتائے۔ ایک جنّ بولا حضور مجھے فلاں مُلک کا ایک جنّ ملا۔ اور اُس نے کہا تھا۔ کہ میرے پاس ایک لڑکی ہے۔ بادشاہ نے کہا۔ کہ اُس کو بمعہ لڑکی کے فوراً حاضر کرو۔ چنانچہ وہ حاضر کیا گیا۔ تو بادشاہ نے لڑکی تو اُس آدمی کو دے دی۔ اور کہا کہ جب کبھی کوئی ہمارے لائق خدمت ہو۔ ہم حاضر ہیں۔ کیونکہ جو غوث الثقلینؓ تمہارا پیر ہے۔ ہم بھی اُسی کے نیازمند ہیں۔ اور اُس جنّ کو قتل کرا دیا۔ دربارِ سلیمانیؒ

کے فیض سے ہُدہُد نے اتنا بڑا علم پایا۔ تو ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی صحبت میں ایک (یعفور) نامی گدھا آتا ہے۔ اور اُسے دانائی عطا ہوتی ہے۔ کہ مدینہ شریف میں سے جس غلام کو بُلانا منظور ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اُس گدھے کو فرماتے ہیں۔ کہ جا کر فلاں غلام کو ہمارے پاس بُلا لاؤ۔ خُدا کی شان دیکھو مصطفےٰ ؐ کا فیضان دیکھو۔ کہ وہ اُسی نام والے آدمی کے گھر کے دروازے پر جاتا اور اپنے سَر سے دستک دیتا جس سے وہ صحابی رضؓ سمجھ لیتا۔ کہ یہ تو مصطفےٰ علیہ السلام کا خاموش ایلچی ہے۔ جو بُلانے آیا ہے۔ چنانچہ وہ صحابی رضؓ اُس کے ساتھ چل کر حاضر خدمت ہوتے۔ اِس کے علاوہ اور بھی واقعات ہیں۔ جو بنظرِ اختصار چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ سلیمان علیہ السلام کے کمالات و معجزات کو دیکھ کر حضرت بلقیس نے اپنے مُلک کو آپؑ پر قربان کیا۔ اور خود بھی اسلام لائی۔ لیکن ہمارے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات و کمالات دیکھ کر یا سُن کر کتنے بادشاہ مسلمان ہوئے۔ نیز مکّہ مکرمہ کی سب سے زیادہ مالدار اور اعلیٰ خاندان کی بی بی جناب خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپؐ کے فیوض و برکات کو دیکھ اور سُن کر اس قدر متاثرہ ہوئیں۔ کہ از خود بطیبِ خاطر بصد منّت و خوشامد آپؐ سے نکاح کرنے کی درخواست کی۔ جس پر آپؐ نے فرمایا۔ کہ مہربان چچا حضرت ابوطالب کی مرضی پر موقوف ہے۔ جب اس کی خبر حضرت ابوطالب کو ہوئی۔ تو اُنھوں نے باتفاق تمام رشتہ داروں کے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ کا نکاح آپؐ سے کر دیا۔ نکاح میں آنے کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے تمام اموال و اسباب آپ علیہ السلام کے قدموں میں ڈال

دیئے۔ جنہیں آپؓ نے غربا میں تقسیم فرما دیا۔ یہ ہی مائی صاحبہ سب سے پہلے آپؐ کا حرمِ پاک بنیں۔ اور انہیں سے آپؐ کی تمام اولاد علیہم السلام پیدا ہوئی۔ نکاح کے وقت اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر شریف چالیس ۴۰ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ کی پچیس ۲۵ برس تھی۔ حضرت آصف نے اپنی کرامت سے بڑا کارنامہ کر دکھایا۔ مگر اس سے بے شمار عظیم ترین اس وقت کے اولیاء کے کارنامے ہیں جن سے کُتب تصوّف و تاریخ بھری پڑی ہیں۔ مثال کے طور پر پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما ہیں۔ آس پاس مریدین طالبینِ حق کا مجمع ہے۔ آپ نے یکایک اپنے ہاتھ مبارک کو چادر میں ڈال کر جھٹکا دیا۔ پھر باہر نکالا تو ہاتھ تر تھا۔ مریدین نے بوجۂ ادب سوال تو نہ کیا۔ لیکن اپنے دلوں میں یہ ضرور یقین کیا۔ کہ کوئی عجیب اَمر ہے۔ کچھ مدت گزری تو ایک قافلہ بہت سا نذرانہ لے کر حاضرِ خدمت ہوُا۔ اور دست بوسی کا شرف حاصل کیا۔ پھر اپنی سرگزشت یوں بیان کی۔ کہ ہم فلاں دن فلاں وقت فلاں دریا میں کشتی پر سفر کر رہے تھے۔ کہ اچانک وہ طوفان کا شکار ہوگئی۔ قریب تھا کہ ہم غرقاب ہو جاتے۔ ہم نے بغداد شریف کی طرف منہ کر کے یوں پُکار کی۔ المدد یا غوث الاعظمؒ۔ المدد یا دستگیرؒ۔ اتنا کہنا ہی تھا۔ کہ ایک ہاتھ نمودار ہوُا۔ اور اُس نے ہماری کشتی کو کنارے کی طرف دھکیل دیا۔ اس مضمون کو انہیں الفاظ پر ختم کرتا ہوں اور اللہ جلّ شانہٗ کی توفیق سے آگے چلتا ہوں۔

حضرت یُونُس

علیہ السلام

موصل کے علاقے میں ایک شہر نینویٰ نامی تھا۔ اُس شہر والوں
کی طرف حضرت یونس علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا۔ اُن کی تعداد کتنی تھی۔
ارشاد ہوتا ہے۔ (قرآن مجید) فَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ
اَوْ يَزِيْدُوْنَ ۝ پس بھیجا ہم نے اس کو طرف ایک لاکھ یا زیادہ
تھے۔ یعنی اگر لڑکے بالے شامل کئے جائیں تو لاکھ سے زیادہ ہوتے تھے۔
سب کے سب مُشرک دیے دین تھے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے مبارک طریقہ
کے مطابق اُن کی ہدایت کے لئے آپؑ کو معمور فرمایا۔ چنانچہ آپؑ نے اُنہیں
شرک و بُت پرستی سے با ایں طور منع فرمایا۔ بھائیو۔ شرک بہت بڑا ظلم
ہے۔ اگر مشرک بے توبہ کئے مر جائے۔ تو اس کے لئے بخشش نہیں۔ جنّت
اُس پر حرام ہے۔ وہ ابدالاباد تک جہنّم میں رہے گا۔ اور خدا کی توحید
کو یوں بیان فرمایا کہ اللہ جل جلالہٗ ایک ہے۔ بے مثل ہے۔ اُس کا کوئی
شریک نہیں۔ وہی سب کا خالق و مالک اور رازق ہے۔ اُس نے
انسان کو اَن گنت نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ اُن نعمتوں میں سے
انبیاء علیہم السلام کا تشریف لانا بھی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔
مَیں خُدا کا بھیجا ہُوا سچّا نبی ہوں۔ جو تمہیں دوزخ سے ڈرانے اور
ماننے والوں کو جنّت کی بشارت دینے آیا ہوں۔ آؤ سب کے سب

مرد و زن۔ پیر و جواں بصدق دل میری اتباع کرو۔ خدائے وحدہٗ لاشریک
کی عبادت کرو۔ کہ جنوں و انس کے پیدا کرنے کی یہی اصل غرض ہے۔ نیز
یہ بھی یاد رکھو۔ کہ یہ پاکیزہ اور ستھرا دُنیا و عقبیٰ کی نجات کا وسیلہ میرا
پیش کیا ہُوا۔ دین اگر تم نے قبول نہ کیا۔ تو عذاب خداوندی تم پر نازل
ہوگا۔ جس سے بجز اُس جل شانہٗ کے کوئی چھڑا نہ سکے گا۔ چاہیئے تو
یہ تھا۔ کہ وہ آپؑ کے کلماتِ طیبات ایمان افروز رُوح پرور کوسُن کر اپنی
دل کی گہرائیوں میں بٹھاتے۔ اور اپنے کُفر و شرک جیسی عظیم ترین بُرائیوں کو
چھوڑ کر توحید و رسالت کا سچے دل سے اقرار و اعتراف کرتے۔ مگر اُن بے سمجھوں
نے اس کے برعکس آپؑ کی تمام تبلیغ کو نہ مانا۔ اور پہلے لوگوں کی طرح کُفر و
شرک پر ہی اڑے رہے۔ یہ دیکھ کر حضرت یونس علیہ السلام نے دربارِ
خداوندی میں اُن پر نزولِ عذاب کی دُعا فرمائی۔ اور اہل شہر کو فرما
دیا۔ کہ عنقریب تم پر عذابِ الٰہی نازل ہوگا۔ یہ فرما کر آپؑ نے ہجرت
کا ارادہ فرمایا۔ اور شہر سے نکل کر ایک طرف کو چل دیئے۔ اِدھر قوم
کو جب حضرت یونسؑ کے شہر سے چلے جانے کا علم ہُوا۔ تو آپس میں کہنے
لگے کہ یارو ہم نے یونسؑ کو عُمر بھر کبھی جھوٹ بولتے نہیں سُنا۔ دُعا آپؑ
کی ضرور قبول ہوگی۔ اب دیکھو کہ اگر وہ آج رات شہر کے قریب کہیں
ہوتے ہیں۔ تو (فبہا) ورنہ عذاب الٰہی کو اپنے سروں پر سمجھو۔ بھائیو۔
اس سے یونسؑ کی مشرک قوم کے تین عقیدے ثابت ہوتے ہیں۔

نمبر ۱۔ کہ حضرت یونسؑ ہرگز جھوٹ نہیں بول سکتے۔

نمبر ۲۔ دعائے نبیؑ مقبول و منظور ہوتی ہے۔ اُس کا رد ہونا ناممکن ہے۔

نمبر ۳۔ جب تک اُن کا مبارک وجود ہم میں موجود رہے گا۔ ہم عذاب

سے محفوظ رہیں گے۔ ہم اُسی صورت میں گرفتارِ عذاب ہو سکتے ہیں۔ کہ وہ
ہمارے شہر سے نکل جائیں۔ یہاں سے اُن مسلمانوں کو سبق سیکھنا چاہئے۔
جو بڑے بڑے عالم و فاضل ہونے کے مُدّعی ہیں۔ اور منبروں پر گلے پھاڑ پھاڑ
کر کہتے ہیں۔ نیز اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں۔ کہ خداوند جل شانہٗ بھی جھوٹ
بول سکتا ہے۔ اور انبیاء کرام جھوٹ بول سکتے ہیں۔ کبیرہ گناہ بھی اُن سے
سرزد ہو سکتے ہیں۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) پھر یہ بھی کہ انبیاء و اولیاء کی
دُعا سے کچھ نہیں بنتا۔ اور بگڑتا۔ (اللہ) تعالیٰ ہم سب کو اپنے مکرّمین و معزّزین
مقرّبین بندوں کی تعظیم کرنے کی توفیق دے۔ الغرض قوم نے نہایت کوشش
سے آپ کو تلاش کیا۔ اور نہ پایا۔ تو بولے۔ کہ اب ہماری شکست آگئی ہے۔
یہ انہوں نے بالکل درست کہا۔ کیونکہ جتنی قومیں ہلاک کی گئی ہیں۔ پہلے
اُن کے پیغمبروں اور مومنوں کو اُن سے علیحدہ ہو جانے کا حکم ہُوا۔ جب
وہ حضرات اُن کو چھوڑ کر کسی اور جگہ تشریف لے گئے۔ تو پھر اُنہیں برباد
کیا گیا۔ کسی نبی علیہ السلام کی بجسمہٖ اپنی قوم میں موجودگی میں اُس کو ہلاک
نہیں کیا گیا۔ بلکہ بحکم حدیث۔ اولیاء کی برکت سے بارشیں ہوتی ہیں دشمنوں
پر فتحیابی۔ روزی کی فراخی۔ لاکھ قسم کی مصیبتوں سے نجات۔ حتیٰ کہ
ایک مومن صالح جس مکان میں آباد ہو۔ اُس کے وسیلے سے آس پاس
کے سو گھر آفات و بلیّات سے محفوظ ہوتے ہیں۔ حاصل مطلب۔ قوم
یونسؑ نے صبح کی تو عذابِ خداوندی کے آثار اُن پر نمودار ہوئے۔ ایک
ابرِ سیاہ ظاہر ہُوا۔ جس سے زمین و آسمان کے مابین دُھواں ہی دھواں
ہو گیا۔ یہ دیکھ کر ساری قوم یونسؑ بہت گھبرائی۔ اور بادشاہ سمیت
تمام چھوٹے بڑے اپنا شہر چھوڑ کر ننگے پاؤں ننگے سر جنگل میں چلے گئے۔ اور

پکی سچی توبہ کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ پہلے جو حقوق ایک دوسرے کے ذمے تھے۔ اُن کو نپٹا یا۔ پھر تمام قسم کے مویشیوں اور اپنے دودھ پیتے بچوں کو اُن کی ماؤں سے جُدا کیا۔ تاکہ وہ بھوک و پیاس سے تنگ آ کر روئیں چلائیں اور دریائے رحمت جوش زن ہو۔ اما بعد تمام اپنے گناہوں سے بصدق دل تائب ہوئے۔ اور خُدا کے حضور گڑگڑا کر یوں دُعا کرنے لگے۔ اے اَللّٰہ جلّ جلالہٗ ہم گنہگار۔ سیاہ کار۔ بے وقار۔ بدکردار۔ خلف شعار۔ ناہنجار تیرے بندے ہیں۔ تیری بخشش کے طلبگار۔ رحمت کے اُمیدوار تیرے دربار میں معافی مانگنے کے لئے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں۔ مولا ہم اکیلے بغیر کسی وسیلہ کے تیری بارگاہ میں نہیں آئے۔ بلکہ تیرے سچے نبی کے نام کا وسیلہ پیش کرتے ہیں۔ اُنہیں کی دُعا سے عذاب کے آثار ظاہر ہوئے ہیں۔ ہمارا یقین محکم ہے۔ کہ اُن کے نام پاک کی برکت سے آیا ہوُا عذاب ٹل سکتا ہے۔ اے خُدا۔ آپ ہمیں فرمایا کرتے تھے۔ کہ اَللّٰہ جلّ جلالہٗ بڑا رحیم و کریم و حلیم و قریب و مجیب، غفور و وُدود ہے۔ ہم تیرے دربار میں اَن گنت خطائیں لے کر حاضر ہوئے ہیں۔ اپنے سچے نبی یونس علیہ السلام کی مرتبت کی طفیل ہمیں اپنے عذاب سے محفوظ اور گناہوں کو مغفور۔ توبہ کو مقبول فرما۔ جو الفاظ عاجزانہ و انکسارانہ ہو سکتے ہیں۔ وہ سب اُنہوں نے استعمال کئے۔ دریائے رحمت جوش میں آیا۔ اور اُن پر آیا ہوُا۔ عذاب ٹل گیا۔ اس کو پارہ نمبر ۱۱۔ رکوع نمبر ۱۵ میں یوں بیان فرمایا گیا۔ (قرآن پاک) فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۭ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝ (ترجمہ) پس نہیں تھی۔ کوئی ایسی بستی کہ عذاب دیکھ کر ایمان لائی

ہو۔ پھر نفع دیا ہو۔ ایمان اُس کے نے مگر قوم یونسؑ کہ جب وہ ایمان لائے۔ تو ہم نے اُن سے دُور کیا۔ ذلت کا عذاب دُنیا کی زندگی میں۔ اور زندہ رکھا ہم نے اُن کو فائدہ اُٹھانے کے لئے ایک وقت تک۔ خلاصہ یہ ہے۔ کہ (کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ جب سے ہم نے دُنیا آباد فرمائی ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہُوا۔ کہ کسی بستی والوں پر نزولِ عذاب ہُوا۔ پھر اُسے دیکھ کر اُنہوں نے توبہ کی ہو۔ جو قبول ہوئی ہو۔ اور اُن سے عذاب کو اُٹھا لیا گیا ہو۔ اور اُن کا ایمان لانا۔ اُن کے حق میں نفع مند ثابت ہُوا ہو۔ ہاں ایک قوم یونسؑ ایسی تھی۔ کہ اُس وقت کا ایمان لانا۔ اُن کے لئے سُودمند ہُوا۔ چونکہ توبہ اُن کی بے مثال تھی۔ اِس لئے اُن پر رحمت و رافت بھی بے مثال ہوئی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قوم کے دل میں یونسؑ علیہ السلام کی بہت محبّت و اُلفت، تعظیم و تکریم ڈال دی۔ چنانچہ وہ بے تابانہ و الہانہ طور سے آپؑ کی تلاش میں نکلے۔ اور سب کی زبان پر یہ تھا۔ کہ وہ معزّز و مکرّم مستجاب الدعوات خُدا کے سچّے نبی جن کے نام کی برکت سے ہمیں دوبارہ زندگی عطا ہوئی ہے۔ اُنہیں تلاش کر کے اُن کی پابوسی کریں۔ اور تمام چھوٹے بڑے اُن کی غلامی کا پٹہ اپنے گلے میں ڈالیں۔ خدا کی بے نیازی کا مشاہدہ کرو۔ اِدھر قوم کا یہ حال ہے۔ اُدھر آپؑ قوم سے جب علیحدہ ہوئے تھے۔ تو ایک گاؤں میں جا کر ٹھہر گئے۔ مرضیٔ مولا یوں ہی تھی۔ آپؑ کو قوم کی توبہ اور آئے ہوئے عذاب کے ٹل جانے کا علم نہ دیا گیا۔ آپؑ نے اُس علاقے سے ہجرت کا مستقل طور پر ارادہ فرما لیا تھا۔ یہ تو معمولی ذہن کا آدمی بھی جانتا ہے۔ کہ حضرات انبیاء علیہم السلام تبلیغ کے لئے ہی آتے ہیں۔ اُن کا بیٹھنا۔ اُٹھنا۔ کھانا پینا۔ سونا جاگنا۔ لباس و گفتار و کردار۔ سفر و حضر صرف اور صرف تبلیغِ دین کے لئے ہی ہوتا ہے۔ اس لئے آپؑ نے اپنے

ذہن شریف میں تبلیغ کے لئے کسی اور علاقے کو منتخب فرما لیا۔ مگر بات صرف اتنی ہوئی۔ کہ آپؑ نے مرضیٔ الٰہی معلوم نہ کی۔ آپؑ کا سفر گو خالص دین کے لئے تھا۔ لیکن یہ حضرات چونکہ مقبولانِ بارگاہ مقربین کبریاء ہوتے ہیں۔ اِس لئے اُن پر تھوڑی سی بات پر بھی خفگی ہوتی ہے۔ جیسے بادشاہوں کے وزیروں مشیروں پر اُن کے بڑے انعامات ہوتے ہیں۔ مگر معمولی سی بے مرضی اُن کی بات پر عتاب بھی بہت ہوتا ہے۔ الغرض آپؑ چلتے چلتے ایک دریا کے کنارے پر پہنچے۔ دیکھا کہ کشتی چھوٹنے کو ہے۔ آپؑ اُس کی طرف دوڑے چنانچہ اُن کا ربّ فرماتا ہے۔ (قرآن پاک) اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ (ترجمہ) اُس وقت کو یاد کرو۔ جبکہ وہ بھاگا طرف کشتی بھری ہوئی کے۔ یعنی آپؑ بھاگ کر سوار ہوئے۔ آپؑ تو دریا کو عبور کرنا چاہتے تھے۔ مگر مرضیٔ الٰہی یہ تھی۔ کہ آپؑ کو دریائی عجائبات اور مخلوقات کا مشاہدہ کرایا جائے۔ اور مچھلی کے پیٹ میں داخل کر کے کچھ مدّت کے لئے پانی میں ٹھہرایا جائے۔ تاکہ آپؑ کا اُس کے پیٹ میں ہوتے ہوئے زندہ رہنا اور آبی مخلوق کا دیکھنا اور اُن کی تسبیح سننا۔ آپؑ کے لئے معجزہ ہو۔ یہ بالکل اُسی طرح ہوُا۔ جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے بغرض ملاقات والدہ محترمہ مصر کو تشریف لے جا رہے تھے۔ کہ راستے میں کوہ طور کے مقام پر تجلّیاتِ الٰہی کو دیکھا۔ اور ہم کلامی کا شرف حاصل کیا۔ سچ ہے۔

وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے

ایک پنجابی بزرگ فرماتے ہیں :۔

عشق کرم دا ازلی قطرہ مَیں مَیں دے وَس ناہیں ٭ کیہاں ڈھونڈیاں ہتھ نہ آوے بکّاں دے وِچ راہیں

حاصل مطلب :- کشتی جب عین بیچ دریا کے پہنچی تو یکایک رُک گئی - اور بظاہر کوئی سبب اُس کے رُکنے کا معلوم نہیں ہوتا تھا۔ ملّاحوں نے باآواز بلند کہا - اے کشتی والو - ہم مدّت سے یہ اصول دیکھتے چلے آرہے ہیں - کہ اپنے آقا کی مرضی کے بغیر جو غلام بھاگ کر اس کشتی میں سوار ہوتا ہے - تو یہ رُک جاتی ہے۔ خُدارا تم میں جو ایسا شخص ہے۔ وہ از خود کشتی سے علیحدہ ہو جائے۔ تمام بیڑا غرقاب کرنے کا گناہِ عظیم اپنے سر پر نہ لے۔ یہ سُن کر حضرت یونسؑ نے اپنی توجہ کو اپنی طرف مبذول فرمایا۔ اور سوچا کہ یہ تو ٹھیک ہے۔ کہ میں نے قوم سے اُن کے کُفر و شرک کی وجہ سے غصّہ کر کے ہجرت کی ہے۔ اور مسئلہ بھی یہ ہے۔ کہ (اللہ کے لئے دُشمنی اور اُسی کے لئے دوستی کرو۔ یعنی اُس کے پیاروں سے اس لئے محبّت رکھو۔ کہ وہ اللہ والے ہیں اور کافروں فاجروں سے اس لئے عداوت رکھو۔ کہ وہ رحیم و کریم جل شانہٗ اور اُس کے دین کے دشمن ہیں۔ مگر با ایں ہماں۔ میں نے اللہ جل شانہٗ سے اس ہجرت کی اجازت حاصل نہیں کی۔ لہٰذا وہ بھاگا ہُوا غلام میں ہی ہوں۔ چنانچہ آپؑ نے فرمایا۔ لوگو وہ بھاگا ہُوا غلام میں ہوں۔ اس پر آپ کی نورانی شکل و صورت چہرۂ پُر وجاہت دیکھ کر کہا حضرت حَاشَا وَ کَلّا آپ کی شان کے لائق یہ بات نہیں ہو سکتی۔ آپؑ بار بار اس کا تکرار فرماتے رہے۔ مگر اہلِ کشتی نے بالکل یقین نہ کیا۔ بالآخر۔ (آیت) فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ۝ (ترجمہ) پس قرعہ ڈالا۔ پس ہو گیا وہ پھینکے ہوؤں سے۔ یعنی قرعہ اندازی کی گئی۔ تو قرعہ آپؑ کے نام کا نکلا۔ تو آپؑ نے بِسْمِ اللہ شریف پڑھ کر از خود دریا میں چھلانگ لگا دی۔ اللہ جَلّ شانہٗ فرماتے ہیں۔ (آیت) فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ وَهُوَ مُلِيمٌ ط پس نِگل لیا اُس کو مچھلی نے اور وہ اپنے آپ کو ملامت کرنے والا تھا یعنی بحکم خُدا آپؑ کو ایک مچھلی نے لقمہ کیا۔ اور آپؑ اپنے

آپ کو فرماتے تھے۔ کہ بے اجازت سفر کرنے کی یہ مصیبت تجھ کو پڑی ہے۔ اِدھر مچھلی کو فرمانِ الٰہی پہنچا۔ کہ تیرے پیٹ میں ہمارے نبی یونسؑ ہیں۔ تیرا پیٹ ہم نے اُن کے لئے آرام گاہ بنایا ہے۔ اور یہاں پر رہ کر یہ نشاناتِ قُدرت کا مشاہدہ کریں گے۔ دیکھنا اُن کو کسی قسم کی تکلیف نہ آنے پائے۔ جتنی مدّت خدا تعالیٰ کو منظور تھا۔ آپؑ اُس کے پیٹ میں رہے۔ دریائی مخلوق کی تسبیح سنتے۔ اور باقی عجائباتِ قدرت کا نظارہ کرتے رہے جو ذکر و تسبیح اُس وقت آپؑ نے کی۔ اس کا ذکر پارہ نمبر ۱۷۔ رکوع ۶ میں ہے۔ (آیت) وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ

(ترجمہ) اور مچھلی والے یعنی حضرت یونسؑ کو یاد کرو۔ جب وہ اپنی قوم سے اُن کے کُفر و شرک کی وجہ سے غصّہ فرماتا ہُوا چلا۔ اور گمان کیا۔ اُس نے یہ کہ ہم اُس پر تنگی نہ کریں گے۔ پس پُکارا بیچ اندھیروں کے اس طرح کہ نہیں کوئی معبود مگر تو۔ تیری ذات پاک ہے۔ بے شک میں تھا زیادتی کرنے والوں سے۔ (سوال ۱) بعض لوگ یہ کہتے ہیں۔ کہ حضرت یونسؑ کا سفر ناجائز تھا۔ اس لئے آپؑ کو سزا کے طور پر بطنِ حُوت میں قید رکھا گیا۔

(جواب) توبہ معاذ اللہ۔ بھائی سزا تو مجرموں کو دی جاتی ہے۔ نبی اور سزا یہ حضرات تو سزائیں خطائیں معاف کرانے کے لئے تشریف لاتے ہیں۔ اُن کے متعلق ایسا عقیدہ رکھنا گمراہی ہے۔

(سوال نمبر ۲) کئی اچھے بھلے آدمیوں سے یہ بھی سُنا گیا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کو جب یہ مصیبت آئی۔ تو آپؑ نے پروردگار کو پُکارا۔ تو اُس کا مطلب

یہ ہوا۔ کہ پہلے آپؐ ذکرِ خدا سے غافل تھے۔

(جواب) ایسا کہنا بالکل غلط اور کھُلی گمراہی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی ذات اعلیٰ وارفع ہے۔ اُن کے غلاموں کے غلاموں کی یہ شان ہے۔ جس کو سلطان العارفین حضرت سلطان باہو صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس طرح بیان فرماتے ہیں :۔

ج ۔ جو دَم غافل سو دَم کافر۔ سانوں مُرشد ایہا پڑھایا ہُو
سُنیا سخن گیاں کھُل اکھیں ۔ اساں چت مولا وَل لایا ہُو
کیتی جان حوالے ربّ دے ۔ اساں ایسا عشق کمایا ہُو
مرن تو پہلے مر گئے حضرت باہُوؒ ۔ تاں مطلب توں پایا ہُو

(سوال نمبر ۳) قرآن شریف پارہ نمبر ۲۳ ۔ میں ہے ۔ کہ اگر نہ ہوتے وہ تسبیح کرنے والوں سے تو اُنہیں قیامت تک بطنِ حوت میں رکھا جاتا۔

(جواب) بھائی یہ ٹھیک ہے ۔ مگر اس میں یہ کہاں ہے۔ کہ آپؐ ذکر سے غافل تھے۔ یہاں سے تو آپؐ کا ہر لحظہ ذاکر ہونا ثابت ہو رہا ہے۔ ذرا آیت کو نکال کر اُس کے الفاظ پر غور کیجئے گا۔ یہ تو ذکر اللہ سے غافلوں کو سبق دیا جا رہا ہے۔ کہ دیکھو ذکرِ خدا کی برکت سے مصیبتیں ٹلتی ہیں۔ اور اُس سے بے پرواہی کرتے پر مصیبتیں پڑتی ہیں۔ قرآن شریف میں پارہ نمبر ۲ رکوع ۳ کی پہلی آیت میں ہے۔ کہ اے ایماندارو مصیبت کے وقت صبر اور نماز سے مدد چاہو۔ ایک اور مقام پر ہے۔ خبردار! ذکر اللہ سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔ نیز صحیح حدیث میں وارد ہے۔ کہ آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم جب سخت آندھی یا بارش یا عام بیماری وغیرہ دیکھتے۔ تو مسجد میں تشریف لا کر مشغول صلوٰۃ و دُعا ہو جاتے۔ الغرض جب اللہ

تعالیٰ کو منظور ہؤا۔ تو آپؑ کو مچھلی نے دریا کے کنارے پر رکھ دیا۔ اس کیفیت کو پارہ نمبر ۲۹۔ رکوع ۴ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ بخوفِ طوالت صرف ترجمہ ہی لکھا جاتا ہے۔ (ترجمہ) اُس وقت کو یاد کرو۔ جبکہ اُس نے پکارا اپنے رَبّ کو اور اُس کا دل غمگین تھا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی۔ کہ اُس کو نعمتِ خُداوندی نے گھیر لیا تھا۔ تو البتہ ڈالا جاتا میدان میں اور وُہ مُذمت کیا ہؤا ہوتا۔ اُس کو تو اُس کے رَبّ نے چُن لیا۔ اور اپنے خاص قُرب والوں سے کیا تھا۔ جب آپؑ مچھلی کے پیٹ سے باہر تشریف لائے۔ تو بدن شریف آپ کا۔ بہت ہی نرم مثل چھوٹے بچے کے ہو چکا تھا۔ تو اُس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے آپ کی رہائش اور خورد و نوش کا یوں انتظام فرمایا۔ ارشادِ باری تعالیٰ جلّ شانہٗ ہے:۔ (قرآن مجید) وَاَنۢبَتۡنَا عَلَيۡهِ شَجَرَةً مِّنۡ يَّقۡطِيۡنٍ ۝ (ترجمہ) اور اُگائی ہم نے اُوپر اُس کے کدّو کی بیل۔ چونکہ آپؑ کا بدن شریف نہایت ہی نازک ہو چکا تھا۔ اس لئے آپؑ کے سائے کے لئے کدّو کی بیل اُگائی گئی۔ باوجود اس کے کہ وہ زمین پر پھیلتی ہے۔ آپؑ پر سایہ فگن ہوئی۔ یہ آپؑ کا معجزہ تھا۔ پھر اس کا انتخاب اِس لئے ہؤا۔ کہ اس پر مکھی نہیں بیٹھتی۔ کوئی کہہ سکتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ویسے ہی بغیر وسیلے کے آپؑ کی کیوں حفاظت نہ فرمائی۔ تو جواب اُس کا یہ ہے۔ کہ بیشک اللہ تعالیٰ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡر ہے۔ مگر اپنے محبوبوں کی خدمت کرنے کی وجہ سے بعض چیزوں کو دُنیا کی نظروں میں معزّز کرنا منظور ہوتا ہے۔ دیکھو۔ بحکمِ حدیث شریف دُنیائے اسلام کدّو کو کتنی عزّت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ اور بطیبِ خاطر کھاتی

ہے۔ روزانہ ایک ہرنی یا بکری دونوں ٹائم آپؑ کے پاس حاضر ہوتی۔ اور اپنا دودھ قریب کر دیتی۔ جسے آپؑ سیر ہو کر نوش فرماتے۔ جب آپؑ کا بدن شریف مثل سابق کے ہُوا۔ تو آپؑ بِسۡمِ اللّٰہ پڑھ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور خدائے تعالیٰ نے آپؑ کی قوم کا پکّی سچی توبہ کر کے مسلمان ہو جانا۔ اور شب و روز آپ کا اطراف و جوانب میں متلاشی رہنا۔ یہ سارا حال تعلیم فرمایا۔ اور حُکم ہُوا۔ کہ اُن کی طرف تشریف لے جائیے۔ اور اُن کے محبّت سے زخمی دلوں پر مرہم لگائیے۔ اور اُن کی پیاس کو شرابِ اُلفت سے بجھائیے۔ اور اُن کو اپنے دیدارِ پُر انوار سے مشرّف فرمائیے۔ اور اُن بیتابوں کو سینے سے لگائیے۔ اور اپنے کلماتِ طیّبات سے اُن کے قلوب و اذہان کو منوّر فرمائیے۔ چنانچہ آپؑ حکم پا کر اپنی قوم میں تشریف لائے۔ قوم نے آپؑ کو دیکھ کر بہت خوشیاں منائیں۔ اور ایک دوسرے سے کہتے تھے۔ دیکھ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ہمارے آقا تشریف لے آئے ہیں۔ ان کی برکت سے ہماری توبہ قبول ہوئی۔ آیا ہُوا۔ عذاب ٹل گیا۔ ساری قوم آپؑ کے قدموں پر گر پڑی۔ اور اپنے قصور کی معافی چاہی۔ آپؑ نے سب کو گلے سے لگا لیا۔ اور تمام غلطیاں اُن کی معاف فرما دیں پھر بقیّہ زندگی اپنی قوم میں دینی تعلیم فرماتے ہوئے گزاری۔ بعدہٗ بحکمِ خدا اُسی جگہ آپؑ کا وصال شریف ہُوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ ۝

دُعا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ان پاک نفوس کے ذکرِ خیر کی برکت سے ہمارے تمام چھوٹے بڑے ظاہر و باطن گناہوں پر قلمِ عفو پھیر دے۔ اور دین و دُنیا کی ترقیوں سے ہمکنار کرے۔ آمین بجاہِ نبیّک الکریم علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

حضرت ایوّبؑ

علیہ السلام

آپؑ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ نبوت کے ساتھ آپؑ کو اموالِ کثیر اَن گنت مویشی بھی عطا ہوئے۔ نیز کھیتی باڑی کا بھی بڑا وسیع کاروبار حُسن و صورت میں یکتائے زمانہ اور کثرت سے اولاد رکھتے تھے۔ آپؑ کے چار حرم تھے۔ اس قدر متاعِ دُنیا کے ہوتے ہوئے ہر وقت یادِ خدا میں مشغول رہتے۔ اور لوگوں کو راہِ ہدایت کی طرف بُلاتے قانونِ خداوندی اس طرح پر ہے۔ کہ ہر ایک مسلمان کی آزمائش ہوتی ہے۔ اس کو قرآن پاک نے بہت مقامات پر بیان فرمایا ہے۔ صرف ایک آیت نقل کرتا ہوں۔ شروع سورۃ عنکبوت پارہ نمبر ۲۰۔ (آیت) الٓمّٓ ۝ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۝

(ترجمہ) کیا لوگوں نے یہ گمان کیا ہے۔ کہ وہ اِسی بات پر چھوڑ دیئے جائیں کہ کہہ دیں ہم ایمان لائے۔ اور اُن کی آزمائش نہ کی جائے۔ یہ گمان اُن کا غلط ہے۔ ہم نے جب سے بنی نوع انسان کو پیدا کیا ہے۔ سب کو آزماتے چلے آئے ہیں۔ اور انہیں بھی ضرور آزمائیں گے۔ اور سبب اس کا یہ ہے۔ کہ امتحان کی وجہ سے جھوٹوں اور سچوں کو ہم ظاہر کر دیں۔ چنانچہ جب امتحان کی گھڑیاں آپہنچتی ہیں تو جو سچ مچ بدل و جاں ایماندار ہوتے ہیں۔ وہ بیماری ہو۔ یا لاچاری بیقراری ہو۔ یا اضطراری۔ فقیری ہو، یا تنگدستی۔ سخت سردی ہو

یا شدّت کی گرمی غرض کوئی بھی حالت ہو۔ ذکرِ الٰہی اُٹھتے بیٹھتے اور اپنی کروٹ لیتے اپنی زبانوں پر جاری رکھتے ہیں۔ اور ہر گھڑی اپنے حقیقی مالک کا شکر بجا لاتے ہیں۔ اس کے برعکس جو مطلب کے بندے عقیدے کے گندے اور دورنگے ہوتے ہیں۔ وہ کسی بھی آزمائش میں پُورے نہیں اُترتے۔ معمولی سا سر درد ہُوا۔ اور نماز روزہ ندارد۔ ایسے لوگوں کی عِندَ الشّرع کوئی حقیقت نہیں پھر یہ بھی بات یاد رکھو۔ کہ جس قدر کسی ہستی کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ اُسی قدر اُس کا امتحان بھی سخت ہوتا ہے۔ جیسے دوسری تیسری کلاس والوں کا امتحان بہت آسان ہوتا ہے۔ مگر بی اے، ایم۔ اے، ایل ایل بی، پی ایچ ڈی۔ کرنے والوں کے امتحانات نہایت مشکل ہوتے ہیں۔ الغرض۔ مرضیٔ الٰہی سے حضرت ایوّب علیہ السلام کے امتحان کا وقت آپہنچا چنانچہ آپؑ ایک روز یادِ الٰہی میں مشغول تھے۔ کہ کچھ نوکر آپ کے روتے چلّاتے حاضر ہوئے۔ آپؑ نے روتے کا سبب دریافت فرمایا۔ اُنھوں نے عرض کی۔ کہ حضور کسی سمت سے اس زور کا پانی آیا ہے۔ کہ آپؑ کے تمام مویشی اُس میں ڈوب کر ہلاک ہو گئے ہیں۔ یہ سُن کر آپؑ کے دل پر کچھ ملال نہ آیا۔ بلکہ فرمایا۔ یہ سب مویشی مجھے اللہ تعالےٰ نے عطا فرمائے تھے۔ جب تک اُس کی مرضی ہوئی میرے پاس رہے۔ اب اُس نے اپنی امانت واپس لے لی۔ تو میرا اس میں کیا دخل۔ ابھی یہ گفت و شنید ختم ہونے نہیں پائی تھی۔ کہ وہ لوگ جو آپؑ کے باغات کی دیکھ بھال پر مقرّر تھے۔ گریہ کناں حاضر دربار ہوئے۔ اور کہا کہ ہمارے آقا پانی کا اس قدر سیلاب آیا ہے۔ کہ تمام باغات سے ایک درخت نام کو بھی نہیں چھوڑا۔ یہ سُن کر بھی آپؑ رنجیدہ خاطر نہیں ہوئے۔ بلکہ فرمایا۔ کہ جس نے دیئے تھے۔ اُسی شہنشاہؒ نے واپس لے لئے ہیں۔ میرا اُس پر کیا اعتراض ہو سکتا

ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد جو لوگ کھیتی باڑی کرنے پر معمور تھے۔ وہ بھی، چیختے چلّاتے حاضر ہوئے۔ اور کہا کہ یا حضرت ہم نے تمام کھیتی کاٹ کر اکٹھی کر رکھی تھی۔ کسی نامعلوم سبب سے اُس میں آگ لگ گئی۔ جس نے تمام انباروں کو جَلا کر راکھ کر دیا ہے۔ یہ سُن کر بھی آپؑ نے کوئی لفظ شکوے کا اپنی زبان مبارک سے نہ کہا۔ بلکہ برابر یادِ حق میں مشغول رہے۔ جب یہ سب کچھ ہو لیا۔ تو اَب دِل ہلا دینے والا۔ ہوش بُھلا دینے والا۔ سب سے سخت ترین امتحان شروع ہُوا۔ وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ کی اولاد بہت تھی۔ اور سب بھائی بہنیں شادی شدہ تھے۔ اور آپؑ کے پاس ہی آباد تھے۔ اُن کے پیار و محبت اخوت و مودّت، اُلفت و ایثار، اتفاق و اتحاد کا یہ عالم تھا۔ کہ روزانہ ایک بھائی یا بہن کے گھر کھانا پکتا۔ اور تمام مل کر کھاتے۔ اللہ جل کی قدرت کہ ایک دن سب سے بڑے بھائی کے گھر تمام بہن بھائی مل کر کھانا کھا رہے تھے۔ کہ اُس مکان کی چھت گر پڑی۔ جس میں دَب کر سارے اللہ جل شانہ کو پیارے ہو گئے۔ یہ قیامت خیز خبر کسی نے حضرت ایّوب علیہ السلام کو پہنچائی۔ اب ذرا سوچیں۔ کہ ہمارا معمولی سا کوئی نقصان ہو جائے تو بہت گھبراتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک سوئی گُم ہو جانے پر بھی گھر والوں سے لڑتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ کسی کا بچّہ بیمار ہو جاتا ہے۔ تو والدین ہر قسم کے جائز و ناجائز علاج اور تعویذ گنڈے کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ بلکہ یہاں تک کہتے ہوئے سُنے گئے ہیں۔ کہ اے اللہ ہم مر جائیں۔ مگر اس ہمارے لختِ جگر کا بال بیکا نہ ہو۔ ایک حضرت ایّوب علیہ السلام صابر ہیں جو اَن گنت مال و اسباب، مویشی، باغات، پھر اپنی لختِ جگر نُورِ نظر

پیاری اولاد کو اپنی جیتی جان تباہ و برباد اور شہید ہوتے دیکھتے ہیں۔ مگر نہ کانپے نہ لرزے نہ گھبرائے نہ ہائے نہ وائے نہ کوئی خلافِ مرضی الٰہی لفظ زبان پہ لائے۔ ہاں۔ کیا تو یہ کیا۔ کہ آسمان کی طرف چہرہ مبارک اُٹھایا۔ اور پڑھا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

عزیزانِ گرامی۔ اِتنے سخت ترین امتحانات میں پاس ہونا۔ ان مقبولانِ بارگاہ کا ہی حصّہ ہے۔ آپؑ کی بے مثل بُردباری۔ صبر و استقلال۔ راضی بہ رَضا کو دیکھ کر فرشتے اور حُور و غلماں آپؑ کو مبارکباد پیش کر رہے تھے۔ خود اُن کا رَبّ جل شانہٗ فرماتا ہے۔ (آیت) اِنَّا وَجَدْنٰہُ صَابِراً نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّہٗ اَوَّابٌ ۝ (ترجمہ) بیشک پایا ہم نے اُس کو صابر اور اچھا بندہ۔ بیشک وہ رجُوع لانے والا ہے۔ یہاں تک تو آپؑ کے مال و اولاد کے ذریعے امتحان لینے کا بیان تھا۔ جس پر کہنے والا کہہ سکتا ہے۔ کہ چلو یہ تمام چیزیں تو آپؑ کے پاس نہیں تھیں۔ مگر آپؑ کا وجود مبارک تو تندرست تھا۔ انسان اپنی زندگی میں کئی قسم کے نشیب و فراز سے گزرتا ہے۔ مال و اولاد تلف بھی ہو جاتے ہیں۔ پھر دوبارہ بھی حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی منشا یہ تھی۔ کہ آپ علیہ السلام کا امتحان ایسا بے مثل ہو۔ جس کو دیکھ کر دُنیا کی عقلیں دنگ رہ جائیں۔ اور ہر کس آپؑ کے فضل و شرف۔ بلند ہمتی، حوصلے کی پختگی کی تعریف کرے۔ حاصل مطلب۔ آپؑ کے مبارک وجود کا امتحان با ایں طور شروع ہُوا۔ کہ اللہ جل جلالہٗ تعالیٰ نے ایک قسم کی بیماری مسلّط کر دی۔ جس سے آپؑ دن بدن کمزور ہوتے گئے۔ کوئی علاج کارگر نہ ہوتا تھا۔ یہ دیکھ کر آپؑ نے اپنی چاروں بیویوں کو بلا

کر فرمایا۔ کہ دیکھو اب خاص میرا امتحان شروع ہو چکا ہے تمہارے حقوق ادا کرنے سے قاصر ہوں۔ بطیبِ خاطر اجازت دیتا ہوں کہ اپنے اپنے والدین کے گھر جا کر بقیّہ زندگی پوری کرو۔ اور میرا معاملہ میرے ربّ پر چھوڑ دو۔ یہ فرمان سُن کر تین بیویاں تو فوراً اپنے اپنے میکے چلی گئیں۔ مگر ایک بیوی جس کا نام حضرت رحیماں تھا۔ اور وہ حضرت یوسفؑ کی پوتی تھی۔ وہ بولی کہ حضور والا۔ یہ باندی بدل و جان ہر حال میں آپؑ کی خدمت کرے گی۔ اگر بادشاہی کے زمانے میں آپؑ کے گھر میں عیش و آرام کی زندگی گزاری ہے۔ تو یہ کہاں کا انصاف ہے کہ اس مشکل وقت میں آپؑ کو اکیلا چھوڑ کر میں گھر چلی جاؤں۔ حضور یہ باوفاؤں کا شیوہ نہیں۔ سچا دوست وہ ہوتا ہے۔ جو مصیبت و پریشانی میں دوست کا ہاتھ پکڑے۔ آپؑ نے اُس کا پختہ عقیدہ دیکھ کر اُس کو اپنے پاس رہنے کی اجازت فرمائی۔ یہ بڑی مشہور بات ہے۔ کہ عام طور پر دُنیا مطلبی ہے۔ جب تک کسی کا کام چلتا ہے۔ اُس کے پاس لوگ آتے جاتے ہیں۔ اور جب وہ غریب و نادار ہو جائے۔ تو خواہ رشتے دار ہی کیوں نہ ہو۔ اُسے کوئی مُنہ نہیں لگاتا۔ جب حضرت ایوب صابر علیہ السلام کے پاس مال کی کثرت تھی۔ آپؑ کا لنگر جاری تھا۔ تو لاکھوں آدمی آپؑ کے پاس حاضر ہو کر کھاتے پیتے اور مطلب براری کرتے۔ اور آپؑ کی محبت کا دَم بھرتے۔ مگر بیماری کے ایّام میں تمام لوگوں نے آپ کے پاس آنا ترک کیا۔ اور کوئی بھی آپؑ کو سلام تک نہ کہتا۔ یہ بے وفائی دیکھ کر آپؑ نے اپنی وفادار بی بی سمیت شہر سے باہر جا کر جنگل میں سکونت اختیار کی۔ بی بی رحیماں رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنگل سے لکڑیاں لا کر قریبی

شہر میں فروخت کرتی جو رقم حاصل کرتی۔ آدھی راہ خدا میں خرچ کرتی۔ اور آدھی سے آپؑ کی طبیعت کے موافق کھانے پینے کی چیزیں خرید لاتیں۔ یہ کام دو چار دن کا نہیں تھا۔ بلکہ پورے اٹھارہ ۱۸ سال آپ بیمار رہے۔ اتنا عرصہ وہ خدا کی پاک باز اور آپؑ کی سچی خادمہ آپؑ کی خدمت بجا لاتی رہی۔ چنانچہ ایک دن اپنے دستور کے مطابق وہ لکڑیاں فروخت کرکے جو شہر سے باہر نکلی۔ تو ایک سفید ریش بزرگ صورت جو جبہ پہنے۔ ہاتھ میں عصا لئے ہوئے۔ اُسے ملا اور بولی کہ بیٹی تم کوئی خاندانی شہزادی معلوم ہوتی ہو۔ یہ لکڑیاں بیچنے کی زحمت کیوں اُٹھاتی ہو۔ یہ سُن کر مائی صاحبہ کا جی بھر آیا۔ اور اُس کی شکل و صورت اور چرب لسانی دیکھ کر اپنا خیر خواہ سمجھا۔ اور اُسے یہ معلوم نہیں تھا۔ کہ یہ ابلیس ہے۔ جو انسان کا قدیمی کھلا ہُوا دشمن ہے۔ اور وہ نیک لوگوں کو بزرگ صورت بن کر ہی گمراہ کرتا ہے۔ تو بی بی رحیماں رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا سارا ماجرا اُس کے سامنے بیان کیا۔ ابلیس بولا۔ بیٹی۔ خدا کا شکر کرو۔ کہ اُس نے تجھ کو میری ملاقات نصیب کی۔ تمہارے سب غم غلط ہو جائیں گے۔ پریشانی دُور ہو جائے گی۔ تمہارا خاوند بہت جلد صحت یاب ہو جائے گا۔ میں بہت بڑا حکیم ہوں ایک نسخہ تجویز کرتا ہوں۔ اُسے لے جا کر اپنے خاوند کو کھلا دے۔ چنانچہ اُس نے ایسی اَدویات بتائیں جو فی الحقیقت حرام تھیں۔ اور مائی صاحبہ کچھ اس خیال میں۔ کہ اللہ کرے اس بزرگ کی زبان مبارک ہو۔ اور اس کا نسخہ کارگر ثابت ہو۔ دوسرا آپ کو اصلاً اُن کا علم نہ ہُوا۔ کہ وہ حرام ہیں۔ خرید کر کے نہایت خوش و خرم حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئی۔ آپؑ نے دیر سے حاضر ہونے کا سبب دریافت فرمایا۔

تو مائی صاحبہ نے بوڑھے شیخ والا۔ واقعہ عرض کیا۔ اور اُن خریدی ہوئی ادویات
کو پیش خدمت کیا۔ اُنہیں دیکھتے ہی آپ سخت غضب ناک ہوئے۔ اور
فرمایا۔ کہ یہ چیزیں تو حرام ہیں۔ اور حرام چیزوں میں اصلاً شفا نہیں۔
یہ تجھ کو بتانے والا شیطان بدلگام۔ بدانجام۔ بے ایمان تھا۔ تو نے اُس
کی طرف کیوں التفات کی۔ پہلے کی طرح سیدھی میرے پاس کیوں نہ پہنچی۔
اچھا۔ اگر مجھے میرے رَبّ نے صحت بخشی۔ تو میں تجھ کو اس غلطی کی سزا میں سو کوڑے
ماروں گا۔ سبحان اللہ۔ تمام دُنیاوی تعلقات آرام و آسائش کو چھوڑ کر
اٹھارہ سال مصیبت کی مُدّت میں نہایت اخلاص کے ساتھ خدمت کرنے
والی اور ایک غلطی وہ بھی لاعلمی میں ہوتی ہے۔ مگر اتنی بڑی سزا سنائی جاتی
ہے۔ یہ ہے اتباعِ دین اور عشقِ الٰہی کا ثبوت۔ اے پر یہ اُن خدا رسیدہ ہستیوں
کا ہی منصب ہے۔ ایک ہم بھی ہیں جو بظاہر تو اسلام کے ٹھیکیدار اور پورے
وفادار بننے کے مدّعی مگر کھانے پینے پہننے وغیرہ میں ہزاروں قسم کے محرمات
کا ارتکاب کرتے ہیں۔ پھر اس پر ظلم یہ کہ ہم اس کا احساس بھی نہیں کرتے
کہ کیا کر رہے ہیں۔ رَبّ تعالیٰ ہدایت نصیب فرمائے۔ حضرت ایوب علیہ السلام
نے اپنی بی بی صاحبہ کو سزا سنانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض
کی کہ اے مولا تُو نے میرے اموال و باغات اور ہر قسم کی جائداد تلف
کر کے پھر میری اولاد کو شہادت دے کر میرا امتحان کیا۔ جسے میں نے
بطیب خاطر منظور کیا۔ پھر میرے جسم کا اتنی لمبی مدّت تک تُو نے امتحان
لیا۔ تو خُوب جانتا ہے۔ کہ کوئی کلمہ بے صبری کا میری زبان پر نہیں
آیا۔ میرے خالق و مالک یہ حرکت جو شیطان نے میرے ساتھ کی ہے۔
تمام امتحانات سے بڑھ کر میرے لئے تکلیف دہ ہے۔ جتنا دُکھ مجھے آج ہُوا

ہے۔ اتنا پچھلے گزرے ہوئے زمانے میں کبھی نہیں ہُوا۔ اُن کا رَبّ جل شانہٗ اس کو یوں بیان فرماتا ہے۔ پارہ نمبر ۲۳ سورۃ صٓ رکوع نمبر ۴۔ (آیت) وَاذْکُرْ عَبْدَنَآ اَیُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّ عَذَابٍ ؕ (ترجمہ) اور یاد کر میرے بندے ایوّب علیہ السلام کو جب کہ پُکارا اُس نے اپنے رَبّ کو کہ تحقیق مَس کیا ہے مجھ کو شیطان نے ساتھ دُکھ اور تکلیف کے یعنی آپؑ نے عرض کی۔ اے میرے پروردگار میں نے اٹھارہ برس مصیبت کے عرصے سوائے تیرے ذکر کے کچھ نہیں کیا۔ مگر یہ بات مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتی۔ کہ شیطان نے میری بی بی کو بہکا کر حرام چیزیں میرے کھانے کے لئے اُس سے خرید کرائیں۔ اس سے مجھے بڑا رنج ہوا ہے۔ چونکہ ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے جس پر وہ ختم ہو جاتی ہے۔ آپؑ کے امتحان کا وقت ختم ہُوا۔ جبریل امینؑ حاضر خدمت ہوئے۔ اور ارشادِ خداوندی سے آپؑ کو کہا۔ (آیت) اُرْکُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ ؕ (ترجمہ) مار پاؤں اپنا یہ ہے۔ نہانے کا اور ٹھنڈا پینے کا۔ چنانچہ جب آپؑ نے اپنا پاؤں زمین پر مارا۔ تو گرم پانی کا چشمہ نمودار ہُوا۔ اور حکم ہُوا۔ کہ آپؑ اس میں غسل فرمائیں۔ جب آپؑ نے اُس پانی سے غسل فرمایا۔ تو تمام بیماری اور کمزوری فی الفور دُور ہو گئی۔ اور آپؑ کے بدن شریف میں توانائی اور چمک دمک پہلے سے بھی زیادہ ظاہر ہوئی۔ جب آپؑ فارغ ہو کر چالیس قدم چلے۔ تو دوبارہ حکم ہُوا۔ کہ زمین پر پاؤں مارو۔ چنانچہ آپؑ نے تعمیل حکم کی۔ تو ایک ٹھنڈا اور شیریں چشمہ ظاہر ہُوا۔ فرمایا گیا۔ یہ آپؑ کے پینے کے لئے ہے۔ چنانچہ جب آپؑ نے اس سے پانی نوش فرمایا۔ تو آپؑ کی باطنی پریشانیاں جاتی

رہیں۔ جب آپؑ کو صحتِ کلّی عطا ہوئی۔ تو اُس کے بعد جو رحمتِ خاص اور انعام بے مثال اور فضل بیکراں عقلوں کو حیران کر دینے والا آپؑ پر ہُوا۔ اب اُس کا بیان سنو۔ (آیت) وَوَهَبْنَا لَهٗ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ○ (اور عطا کی ہم نے واسطے اُس کے اہل اُس کی اور مثل اُن کے ساتھ اُن کے رحمت اپنی سے اور نصیحت پکڑنے کو واسطے عقلمندوں کے۔ خلاصہ اس آیت کا یہ ہے۔ اَللّٰہ تعالیٰ جَل شانہٗ فرماتا ہے۔ کہ ہم نے اپنے فضل و کرم سے ایوب علیہ السلام کی مدّتِ دراز سے مری ہوئی اولاد کو اُن کے لئے زندہ کر دیا۔ اور اُتنی ہی اولاد اور عطا فرمائی۔ یہ ہماری رحمت کا کرشمہ تھا۔ اور اس ہماری عجیب قدرت میں عقلمندوں کے لئے نصیحت ہے۔ پھر مال و اسباب اور باقی ہر قسم کے سامان پہلے سے زیادہ آپؑ کے لئے مہیّا فرما دیئے۔ اب سُنو آپؑ کی مخلصہ بی بی رحیماں رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر اور دیکھو کہ جو لوگ بصدقِ دل صحیح عقیدے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اللہ والوں کی خدمت کرتے ہیں۔ اُن پر رحمت ایزدی کس قدر ہوتی ہے۔ اور اَللّٰہ تعالیٰ کا کرم کس طرح اُن کی دستگیری فرماتا ہے۔ چونکہ حضرت ایّوب علیہ السلام نے بی بی کو سَو لکڑی مارنے کی قسم کھائی تھی۔ اس لئے آپؑ نے اُسے پورا کرنے کا ارادہ فرمایا۔ تو مولا تعالیٰ جل شانہٗ نے اُس کا طریق کار یوں بیان فرمایا۔ (آیت) وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ؕ (ترجمہ) اور پکڑو اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو اور مار ساتھ اُس کے اور نہ توڑ قسم اپنی۔ یعنی حکم ہُوا کہ اے ایوب علیہ السلام یہ محترمہ آپؑ کی سچی خادمہ ہے۔ ہم اسے تکلیف پہنچانا نہیں چاہتے۔ جیسے مصیبت میں

اس نے آپؑ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ ایسے ہی اب ایّام خوشحالی میں اس کو ہم آپؑ کے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں۔ اُدھر آپؑ نے قسم بھی کھائی ہوئی ہے۔ جسے ضرور پُورا کرنا ہے۔ تو اچھا ایسا کرو۔ کہ سو تنکا اپنی مٹھی میں لے کر اس کو مارو۔ کہ اس کی جان بھی بچ جائے۔ اور آپؑ کی قسم بھی پُوری ہو۔ چنانچہ آپؑ نے ایسا ہی کیا۔ سچ فرمایا ہمارے نبیٔ برحق صلّی اللہ علیہ وسلم نے کہ لَا یَشْقیٰ جَلِیْسُہُمْ یعنی اولیاء اللہ کی محفل میں بیٹھنے والا بدبخت نہیں ہوتا۔ ان محبوبانِ درگاہ کے درباروں میں حاضر ہونے سے دین و دُنیا کی مصیبتیں ٹل جاتی ہیں۔ ایک پنجابی بزرگ فرماتے ہیں۔ شعر:۔ نبیاں تے وَلیاں دے دَرتے مقبول دُعاواں ہوندیاں نیں

بَڑو گدے نیں جدوں اشکاں دے سبب معاف سزاواں ہوندیاں نے

(نوٹ) اس واقعہ ایّوب علیہ السلام کو مختلف کتابوں میں کئی طریقوں سے بیان کیا گیا ہے۔ بی بی رحیماں رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں کئی ناز یبا الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ فقیر نے اپنی طاقت کے مطابق علمائے اہلسنّت اور کتب عقائد اہلسنت سے تحقیق کر کے یہ واقعہ نقل کیا ہے۔ پھر بھی یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ بس جو میں نے لکھ دیا ہے۔ اس کے اُوپر اور کوئی نہیں لکھ سکتا۔ (وَفَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ ط) فرمانِ ربّانی موجود ہے۔

سوال۔ ہم نے بڑے بڑے عالموں سے سُنا ہے۔ اور بہت سی کتابوں میں بھی پڑھا ہے۔ کہ حضرت ایّوب علیہ السلام کے تمام بدن شریف میں کیڑے پڑ گئے تھے۔ حتیٰ کہ زبان مبارک تک پہنچ گئے تھے۔ آپؑ نے اُسے کیوں بیان نہیں کیا۔ کیا آپ کو اس کا علم نہیں یا عمداً چھوڑا ہے۔

جواب۔ بھائی بیشک یہ بہت بڑی مشہور بات ہے۔ مگر اولاً تو اس کو ہم عقل کی کسوٹی سے پرکھتے ہیں۔ کہ اس کی حیثیت کیا ہے۔ پھر کچھ نقلی ثبوت عرض کریں گے۔ یہ بات تو معمولی عقل کا انسان بھی جانتا ہے۔ کہ تمام قسم کی بیماریوں سے بدترین تمام لوگوں کو متنفر کرنے والی طبیعتوں میں گھن پیدا کرنے والی کیڑوں کی بیماری ہے۔ دُنیا والوں کا یہ دستور ہے کہ جس پر سخت ناراض ہوتے ہیں۔ تو اُسے کہتے ہیں۔ کہ جا تجھے کیڑے پڑیں۔ اور اُسی حالت میں تیری موت ہو۔ اور خدا کی پناہ۔ اگر کسی انسان کو تھوڑے سے وقت کے لئے تمام بدن میں کیڑے پڑ جائیں۔ اور بدبُو اُٹھنے لگے۔ تو دُنیا والے اُس کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ اور اُس کو کِن کِن الفاظ سے کوسیں گے۔ ایک (اللہ) تعالیٰ کا سچا نبی جس کو اُس نے مخلوق کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا ہو۔ اور قوم کو اُس کے ادب احترام کا حکم دیا ہو۔ اور دخولِ جنت اُس کی اطاعت پر موقوف کیا ہو۔ اُس کے مقدس وجود میں ایسی گندی مرض ہو سکتی ہے۔ کیا کوئی عقلمند انسان اسے تسلیم کر سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔

اب رہا مسئلہ علماء کے بیان کرنے یا کتابوں میں لکھنے کا تو جواب اُس کا یہ ہے۔ کہ آپؑ کے وجود شریف میں کیڑے پڑ جانے کا بیان۔ نہ تو قرآن شریف میں ہے۔ اور نہ ہی صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ فقط یہودیوں کی روایات ہیں۔ جنہیں بعض علماء نے بے توجگی میں اپنی کتابوں میں نقل کر دیا ہے۔ اب آخر میں مَیں آپ کو ایک عقیدے کی بات بتاتا ہوں۔ وہ یہ کہ ہر نبی اپنے زمانے میں سب سے زیادہ طاقت ور۔ سب سے زیادہ عالم۔ سارے حسینوں سے زیادہ حُسین

ہوتا تھا۔ تمام انبیاء علیہم السلام ہر ایسی چیز سے مبّرا تھے۔ جو ناپسندیدہ ہے۔ اور ایسی بیماری جس سے آدمی گھن کرتا ہے۔ مثلاً کوڑھ۔ یا برص۔ خارش وغیرہ۔ اُس سے سب کے سب محفوظ تھے۔ ختم ہُوا قصہ حضرت ایوب صابر علیہ السلام کا۔

(بقیہ ضمیمہ صفحہ ۸۰ سے آگے) امام اہلسنّت مجدد دین وملت محقّق ابن محقق مُدقّق ابن مُدقق مولانا الشاہ حافظ قاری احمد رضا خاں بریلوی نے خوب کیا ہی کہا۔

(شعر) رُخِ مصطفٰے ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا اور آئینہ
نہ ہماری چشمِ خیال میں نہ دُکان آئینہ ساز میں

یعنی صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یوں کہا کہ

(شعر) توں اجے میرا محبوب نہیں ڈِٹھا جنہوں تک کے چن شرماوے
جے اوہ جاوے سَیر چمن توں سارا گلشن سیس نواوے
جے اوہ رکھے ہتھ پُھلاں تے ہتھ نال پُھلاں رَل جاوے
جے اوہ کھولے وَل زُلفاں دے تے راہی رَاہ پے جاوے
تے ڈر دی بجلی چمک نہ مارے جے اوہ مَتھے تیوری پاوے
توبہ ایڈا حُسن ماہی دا جیہدی جھال جھلی نہ جاوے

میرے قبلہ اُستاذ المکرّم مدظلہ العالی نے کیا ہی خوب ارشاد فرمایا :-

(شعر) کوئی مثل نہیں جانی دی
رَبّ قسماں چُکے اوہدی چڑھ دی جوانی دی
اُچی شان ہے ڈھولن دی
چُپ کر دھڑ وٹ جا ایتھے جا نہیں اوبولن دی

(باقی صفحہ ۱۶۸)

حضرت ذکریّا

علیہ السلام

یہ حضرت اللہ تعالےٰ کے سچّے نبی تھے۔ اِن کا واقعہ قرآن شریف میں مختصر طور پر بیان ہُوا ہے۔ آپؑ دستور کے موافق تمام عمر تبلیغ دین فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ آپؑ کو بڑھاپا آگیا۔ اور زندگی بھر آپؑ کے ہاں کوئی لڑکا پیدا نہیں ہُوا۔ ایک دن آپؑ حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے شریف میں تشریف لائے۔ تو بے موسمے پھل موجود پائے۔ تو با ایں خیال کہ جو قادرِ مطلق اپنی وُلیہ مریمؓ کو مقفّل حجرے میں بے موسمے پھل دے سکتا ہے۔ وہ مجھے اس کبر سِنی میں اگر ایک بچّہ عطا کر دے۔ تو اس کی قدرت سے کیا بعید ہے۔ اُسی حجرے میں دُعا فرمائی۔ جس کو پارہ نمبر ۱۶ سورہ مریم کے شروع میں مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے۔ (آیت) کٓھٰیٰعٓصٓ ۝ ذِکْرُ رَحْمَتِ رَبِّکَ عَبْدَہٗ زَکَرِیَّا ۝ اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ نِدَآءً خَفِیًّا ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَھَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا وَّ لَمْ اَکُنْ بِدُعَآئِکَ رَبِّ شَقِیًّا ۝ (ترجمہ) ذکر تیرے ربّ کی رحمت کا جو اُس نے اپنے بندے ذکریا علیہ السلام پر کی۔ وہ رحمت خاص آپؑ پر کب ہوئی۔ جبکہ دُعا کرتے ہوئے اپنے ربّ کو پکارا۔ آہستہ آواز سے۔ کیونکہ آہستہ دعا مانگنے میں دکھلاوا بھی نہیں پایا جاتا اور دل

کی توجہ بھی زیادہ ہوتی ہے۔ نیز بتقاضۂ عمر آپؑ کی آواز نرم ہو گئی تھی۔ دُعا کا
مضمون یہ تھا۔ عرض کی اے میرے معبود میری ہڈی سُست ہو گئی ہے۔ اور میرے
سر کے بالوں نے شعلہ مارا ہے۔ بڑھاپے سے یعنی سفید ہو گئے ہیں۔ یعنی میرے
حال کو دیکھ۔ ہڈیاں کمزور تمام سر سفید اس حالت میں تیری بارگاہ
میں دُعا کر رہا ہے۔ اور یہ نہیں کہ بادلِ نخواستہ نا اُمیدی کے عالم
میں بلکہ پُر اُمید ہو کر التجا لایا ہوں۔ اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں
ہوا۔ کہ میں نے تجھ سے دُعا کی ہو۔ اور تُو نے اُسے رَد کر کے مجھے محروم
اور بدنصیب کیا ہو۔ یعنی تمام عمر میں مَیں نے جب بھی جو دُعا کی۔
تو نے اُسے قبول فرمایا۔ اور حق بھی یہی ہے۔ کہ حضرات انبیاء علیہم السلام
کی کوئی دُعا رَد نہیں ہوتی۔ بلکہ بحکم حدیث شریف عامۃ المسلمین جو
دُعائیں مانگتے ہیں۔ وہ بھی رَد نہیں ہوتیں۔ اُن میں جس قدر دُنیا میں اُن
کے لئے مفید ہوتی ہیں۔ تو دُنیا میں ہی اُن کا ثمرہ مل جاتا ہے۔ باقی
آخرت میں نامۂ اعمال میں شامل ہو کر نیکی کے پلّے میں پڑیں گی۔ ہاں
جن کے حق میں اَبدی جہنم کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اگر کوئی برگزیدہ ہستی
بے توجگی میں دُعا کرنا چاہے۔ تو اُس کو یہ فرما کر روک دیا جاتا ہے۔
کہ حضرت آپ اس خیال میں نہ پڑیئے گا۔ اب اگلا حصہ دُعا کا بیان
کرتا ہوں۔ (قرآن پاک) وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ
وَکَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَہَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّاۙ
یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْہُ رَبِّ رَضِیًّا
(ترجمہ) اور بیشک میں ڈرتا ہوں۔ اپنے پیچھے رہ جانے والے وارثوں سے
اور عورت بھی میری بانجھ ہے۔ پس عطا کر واسطے میرے اپنے پاس سے ایک

وَلی جو میرا وارث ہو۔ اور آلِ یعقوب علیہ السلام کا بھی وارث ہو۔ اور کر اُس کو اے میرے رَبّ پسندیدہ۔ خلاصہ یہ ہے۔ کہ آپؑ نے عرض کیا۔ اے اَللّٰہ جؔ تو نے ہم جماعتِ انبیاء علیہم السّلام کو دُنیا اور اُس کی زینت زیبائش۔ نام و نمود سے بے نیاز کیا ہے۔ مجھ کو یہ خیال تو آسکتا ہی نہیں۔ کہ میرے بعد دُنیا میں بغیر بیٹے کے میرا نام نہیں رہے گا۔ ہاں یہ بات ضرور ہے۔ کہ میرے چچازاد بھائی بے دین اور شریر ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ میرے وصال کے بعد دین میں فتنہ برپا کریں۔ اس لئے خواہ میں سن رسیدہ ہوں اور میری عورت بھی بانجھ ہے۔ تو اپنی قدرتِ کاملہ سے ایک ایسا پسندیدہ بیٹا مجھے عطا فرما۔ جو میری نبوّت و علم کا میرے بعد وارث ہو۔ اور اپنے آباؤ اجدادِ آلِ یعقوب علیہم السلام کے فیوض و برکات کا حامل ہو۔ عزیزو۔ غور کرو۔ کہ دُنیا دار اپنا نام باقی رکھنے اور اپنی جائداد کا وارث بنانے کے لئے ہزارہا روپے خرچ کر کے اور بے شمار تدابیر سے شادی خانہ آبادی کرتے ہیں۔ مگر اَللّٰہ جؔ والوں کا ہر کام دین کے لئے ہوتا ہے۔ اور ہر وقت اُن کو دین کا فکر دامنگیر ہوتا ہے۔ یہاں پر ایک اور بات بھی بیان کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ بعض بدعقیدہ اور گستاخ اُوپر لکھی ہوئی آیات لوگوں کو سُنا کر گلا پھاڑ پھاڑ کر کہتے ہیں۔ کہ مسلمانوں دیکھو ذکریا علیہ السلام نے بڑھاپے میں اپنے رَبّ کو پُکارا۔ اور اُسی سے بیٹا مانگا۔ اسی طرح سارے انبیاء علیہم السلام اپنی تمام حاجتوں میں خدا تعالیٰ ہی کو پُکارتے رہے۔ تم غیر اللہ یعنی انبیاء و اولیاء کو پُکارتے ہو۔ اُن سے حاجتیں طلب کرتے ہو۔ یہ فعل تمہارا شرک ہے۔ جس سے تم مشرک ہو جاتے ہو۔ میں نہایت انکساری سے عرض کروں گا۔ کہ انبیاءؑ

اور ربِّ کریم کے درمیان کوئی اور وسیلہ ہی نہیں۔ وہ تو ڈئرائیکٹ) براہ راست
دربارِ خداوندی سے ہی التجا کرتے ہیں۔ اور باقی مخلوق کے لئے یہ حضرات وسیلے ہوتے
ہیں۔ اِن کے وسیلے سے ہی ہدایت و ایمان ملتا ہے۔ امن وامان نصیب ہوتا
ہے۔ دُنیا میں آرام اور جنّت میں مقام اِنہیں کی برکت سے حاصل ہوتا ہے۔
الغرض خلقت کے لئے دُنیا میں مشکل کُشا حاجت روا (باذن اللہ) بن کر آتے
ہیں۔ اے عزیز۔ ذرا سوچ کہ دین و دُنیا میں کونسا ایسا کام ہے۔ جو بغیر وسیلے
کے انجام پاتا ہے۔ اگر انبیاء و اولیاء علیہم السلام کو پُکارنا اور اُن سے حاجتیں
طلب کرنا۔ اور اُن کے مزارات پُرانوار پر حاضری دینا۔ جن میں بحکم قرآن
وہ زندہ ہیں۔ یہ شرک ہے۔ تو مقدّمات میں مجسٹریٹوں اور ججوں کی طرف
رجوع کرنا۔ اور زمین الاٹ کروانے کے لئے پٹواریوں کے پاس جانا۔ وغیرہ وغیرہ
کہاں کا ایمان ہے۔ اب میں دو اشعار لکھ کر اس بات کو ختم کرتا ہوں۔
پہلا شعر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اور دوسر کسی اور بزرگ کا ہے۔

شعر (۱) حکیم و حاکم داد و دوا دیں اور یہ کچھ نہ دیں
اِرے مردُود یہ مُراد کس آیت و خبر کی ہے

شعر (۲) اولیاء کے دَر پہ ہم پہنچے تو نجدی نے کہا
دَر خُدا کا چھوڑ کر تم شرک میں ہو مبتلا
خود پڑا بیمار تو پھر چھوڑ دَر اللہ جل جلالہٗ کا
ڈاکٹر کے پاس جا پہنچا دوا کے واسطے

حاصل مطلب دُعا ذکریا علیہ السلام کی منظور ہوئی اور اُس منظوری
کی خبر اور بیٹے کی مبارک دینے کے لئے بحکم خُدا ملائکہ بصورتِ جلوس
دربارِ ذکریا علیہ السلام میں حاضر ہوئے۔ اور عطا ہونے والے بیٹے کا نام

بتایا۔ اور اس کی نعت خوانی کی۔ جس کو پارہ نمبر ۳۔ رکوع نمبر ۱۲ میں بیان فرمایا گیا ہے۔ (قرآن پاک) فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ○

اُس زمانے کا یہ دستور تھا۔ کہ تمام لوگ اپنی قربانیاں لاکر حضرت ذکریا علیہ السلام کے دربار میں پیش کرتے۔ اور آپ علیہ السلام اُن کو بارگاہِ ایزدی میں قبولیت کے لئے پیش فرماتے۔ باقی مسجد اقصیٰ شریف کے سارے انتظامات آپؑ کے ہاتھ میں تھے۔ بدوں اجازت کوئی شخص مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ آپ دُعا مانگ کر مسجد میں تشریف لے گئے۔ اور ایک حجرے میں دروازہ بند کر کے نماز میں مشغول ہو گئے۔ اچانک ایک خُوب صورت نوجوان نمودار ہُوا۔ اور قبل اس کے کہ آپؑ اُس سے کچھ فرماتے۔ اس نے عرض کیا۔ کہ حضور میں جبریلؑ ہوں۔ جو بہت سے ملائکہ کے ساتھ جو حجرے سے باہر کھڑے ہیں۔ بیٹے کی مبارک اور اُس کی نعت خوانی کے لئے حاضر خدمت ہُوا ہوں (اُوپر لکھی ہوئی آیات کا ترجمہ) پس پُکارا اُس کو فرشتوں نے اُس حال میں کہ وہ حجرے میں کھڑا ہُوا نماز پڑھ رہا تھا۔ کہا کہ بیشک اللہ جلّ جلالہٗ تعالیٰ تجھ کو خوشخبری اور مُبارک دیتا ہے۔ ایسے لڑکے کی جس کا نام اُس کے پیدا ہونے سے پہلے ہی اُس نے یحیٰیؑ رکھا ہے۔ اب اُس فرزند ارجمند یعنی یحیٰی علیہ السلام کی نعت خوانی شروع ہوتی ہے۔ سچّا کرنے والا ایک اللہ جلّ جلالہٗ کے کلمے کو۔ اور سردار اور گھیرا ہُوا عورتوں سے اور غیب کی خبریں دینے والا نیکوکاروں سے۔ اس مبارکبادی کے مضمون کو سورہ مریم رضؑ

میں بھی بیان کیا ہے۔ اُس میں اتنا زیادہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔
اے ذکریا علیہ السلام ہم نے آپ کو ایسے بیٹے کی مبارک دی ہے۔ جس کا
ہمنام پہلے پیدا ہی نہیں ہوا۔ یہ پُرمسرت خوشخبری سُن کر آپؑ نے
نہایت خوشی کے عالم میں خُدا کی قدرت معلوم کرنے کے لئے عرض
کی۔ دیکھو سورۃ مریم رکوع نمبر ۱۔ (قرآن پاک) قَالَ رَبِّ
اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّ کَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا
وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیًّا ۝ (ترجمہ) کہا
اے رَبّ کس طرح ہوگا۔ واسطے میرے لڑکا حالانکہ ہے عورت میری
بانجھ اور تحقیق پہنچ گیا ہوں میں بڑھاپے کی حد کو یعنی ذکریا علیہ
السلام نے عرض کیا۔ اے میرے مولا میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔
کہ کیا ہمیں پھر جوانی عطا ہوگی۔ یا اسی حالت میں لڑکا دیا جائے گا۔
اُس کا جواب (قرآن پاک) قَالَ کَذٰلِکَ قَالَ رَبُّکَ ھُوَ
عَلَیَّ ھَیِّنٌ وَّ قَدْ خَلَقْتُکَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَکُ شَیْئًا ۝
(ترجمہ) کہا۔ جبرئیلؑ علیہ السلام نے اسی طرح ہی فرمایا ہے رَبّ تیرے نے
کہ وہ مجھ پر آسان ہے۔ اور میں نے تجھے بھی تو اس سے پہلے پیدا کیا ہے۔
حالانکہ تو کوئی شئے نہ تھا۔ آپؑ نے یہ سُن کر پھر عرض کی۔ کہ اے میرے کریم مجھے
اس کے آنے کی کوئی نشانی بتا۔ تاکہ میں اُس وقت تمام کام چھوڑ کر ہر ایک
سے منہ موڑ کر صرف تیری یاد میں منہمک ہو جاؤں۔ ارشاد ہوا۔ (قرآن پاک)
قَالَ اٰیَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا ۝
(ترجمہ) نشانی تیرے لئے یہ ہے۔ کہ تُو تین دن تک لوگوں سے کلام نہیں
کر سکے گا۔ مگر اشارے سے۔ یعنی جب آپؑ کا صاحبزادہ شکم مادر میں تشریف

لائے گا۔ تو آپؑ سے یہ معجزہ ظہور پذیر ہوگا۔ کہ تین دن تک آپؑ کی زبان مبارک پر صرف ذکرِ الٰہی جاری رہے گا۔ دُنیا کی کوئی بات نہ کر سکے گی۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین کر لو۔ کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام ابھی عالمِ ارواح ہی میں ہیں۔ شکمِ مادر میں تشریف نہیں لائے۔ مگر آپؑ کے نام اور صفات و حمل میں آنے کے نشانات کا علم حضرت ذکریا علیہ السلام کو دے دیا گیا۔ اور آپؑ کے ذریعہ سے آپ کی بی بی صاحبہ کو بھی تمام حالات سے آگاہی ہوئی۔ منکرینِ علمِ غیب انبیاء علیہم السلام کو ان اُوپر لکھی ہوئی آیات کو بنظرِ ایمان دیکھ کر اُن میں تدبّر کرنا چاہیئے۔ الغرض جب وقتِ موعود آیا۔ حضرت ذکریا علیہ السلام حسبِ دستور سابقہ حجرے کا دروازہ بند کر کے ذکرِ خدا میں مشغول تھے۔ کہ یکایک آپ کی حالت میں تغیّر پیدا ہو گیا۔ ذکر کی لذّت کو حلاوت میں زیادتی ہوئی۔ انوار و تجلّیاتِ ربّانی کی کشش نے آپؑ کو بالکل مائل کر لیا۔ اُدھر مجمع کثیر حجرے کے باہر آپؑ کا منتظر تھا۔ کہ تشریف لا کر اپنے رُوح پرور کلمات سے ہمارے قلوب و اذہان کو منوّر فرمائیں۔ چنانچہ اُنکا رب جلّ شانہٗ فرماتا ہے۔ (قرآن پاک)
فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا ۝ (ترجمہ) پس نکلے ذکریا علیہ السلام حجرے سے اُوپر قوم اپنی کے اور دیکھا لوگوں نے آپؑ کو کہ چہرہ آپؑ کا پہلے کی نسبت بہت زیادہ چمکدار ہے۔ اور ذکرِ خدا کے سوا کوئی بات آپؑ کی زبان پر جاری نہیں ہوتی۔ تو انہیں کچھ تامّل ہوا۔ اُس پر آپؑ نے اُن کو اشارے سے بتایا۔ آپ سب لوگ صبح و شام خدا کی تسبیح بیان کرو۔ یہ آپ کو معلوم ہوگا۔ کہ یحییٰ علیہ السلام کی والدہ جناب

مریمؓ کی خالہ لگتی تھیں۔ ایک دفعہ اُن سے ملاقات ہوئی۔ تو خالہ نے فرمایا۔ اے بھانجی میں حاملہ ہوں۔ جناب مریمؓ نے جواب میں کہا۔ کہ خُدا کی قدرت سے میں بھی حاملہ ہوں۔ پھر یحییٰ علیہ السلام کی والدہ نے فرمایا۔ کہ اے بیٹی مریمؓ۔ یوں معلوم ہوتا ہے۔ کہ میرے حمل کا بچہ تیرے پیٹ والے بچے کو سجدہ کرتا ہے۔ (دیکھو۔ خزائن وغیرہ تفسیر) سوچنے کی یہ بات ہے۔ کہ یہ دونوں حضرات نبی علیہم السلام ہیں۔ جن کو شکمِ مادر میں ہی یہ تعلیم حاصل ہوئی۔ کہ ایک کو واجب التعظیم سمجھ کر دوسرا اُسے سجدہ کر رہا ہے۔ خدا کی قدرت سے یہ بعید نہیں۔ مگر افسوس کہ آج کل کے بعض بے خبر۔ سیّد الانبیاء۔ شہنشاہِ دوسرا علیہ التحیۃ والثناء کے متعلق یہ کہتے اور لکھتے ہیں۔ کہ آپ علیہ السلام کو چالیس (۴۰) برس تک بالکل معلوم نہ تھا۔ کہ میری کیا شخصیّت ہے۔ اور مجھے کیا کرنا ہے۔ اتنی مدّت کے بعد آپؐ کو نبی بنایا گیا۔ بھائیو۔ یہ عقیدہ قرآن وسنّت کے بالکل خلاف ہے۔ اور سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شان سے انکار کے مترادف ہے۔ بکثرت احادیث و آثار ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم تمام مخلوق کی پیدائش سے کروڑہا سال پہلے نبی تھے۔ چنانچہ ایک حدیث نقل کرتا ہوں۔ (حدیثِ رسولؐ) كُنْتُ نَبِيًّا وَّ آدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ ۝ یعنی میںؐ اُس وقت نبی تھا۔ جبکہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی مٹی اور پانی کے درمیان تھے۔ بحکم اللہ تعالےٰ حضرت ذکریّا علیہ السلام کا واقعہ ختم ہوا۔

حضرت مریم

(ولیہ)

(رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

دُنیا میں نبی کریم علیہ السلام کے زمانۂ ظاہری سے پہلے دو ایسے عمران نامی شخص ہوئے ہیں۔ جو نہایت ہی پاک باز اور صالح تھے۔ اُن میں سے ایک عمران حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد اور دوسرے جناب مریم رضؓ کے باپ تھے۔ حضرت مریم رضؓ کے خاندان کے تمام لوگ اولیاء اللہ تھے۔ آپ کی والدہ کا نام حنّا تھا۔ بہت مدّت تک اُن کے ہاں اولاد نہیں ہوئی تھی۔ ایک دن حضرتِ حنّا نے ایک درخت کے نیچے چڑیا کو اپنے بچّے سے کھیلتے ہوئے دیکھا۔ تو آپ کے دل میں اولاد کی خواہش نے جوش مارا۔ تو اُسی وقت دُعا میں مشغول ہوئیں۔ عرض کی الٰہی تو ہی سب کی حاجتیں پُوری کرتا ہے۔ تمام مخلوق کی دُعائیں منظور فرماتا ہے۔ اس عاجزہ اپنی بندی کی دُعا منظور فرما۔ اور اپنی رحمتِ خاص سے اس نا اُمیدی کے عالم میں ایک بچّہ عطا فرما۔ چنانچہ دُعا اُن کی قبول ہوئی۔ اور وہ حاملہ ہو گئیں۔ تو اُس کے بعد جو دُعا اُنھوں نے کی۔ اُس کو دیکھو۔ پارہ نمبر ۳۔ رکوع نمبر ۱۲۔ (قرآن پاک) اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرَانَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ

اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ (ترجمہ) یاد کرو۔ جب
کہا عمران کی بی بی حنّا نے کہ اے میرے ربّ مَیں نے تیرے لیئے
نذر کیا۔ اُس کو جو میرے پیٹ میں ہے۔ آزاد۔ پس قبول کر مجھ
سے۔ بیشک تو سُنتا جانتا ہے۔ آپ نے یہ ایسی نذر کیوں مانی۔
اس کی تفصیل اس طرح ہے۔ کہ اُس زمانے کے لوگوں کا دستور
تھا۔ کہ وہ اس طرح کی نذر مانا کرتے تھے۔ کہ اے اللہ ہمیں ایک
بچّہ دے دے۔ تو وہ یا اتنے لڑکے عطا کر تو اُن میں سے ایک بچہ
تیرے بیت المقدس کی خدمت کے لئے ہم چھوڑ دینگے۔ جس پر ہمارا
کوئی حق نہ ہوگا۔ تمام عمر تیری مسجد میں درویشانہ زندگی بسر کریگا۔
سچ ہے۔ نیکوں کی پسند بھی نیک ہی ہوتی ہے۔ ایک دُنیا دار
بھی ہیں۔ جو غلط سلط نذریں مانتے ہیں۔ مثلاً اکھاڑے۔ تماشے۔
گانے بجانے وغیرہ وغیرہ۔ تو حضرت حنّا نے اپنی خاندانی رویت کے
موافق نذر مانی تھی۔ جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اولیاء نے جو نیک کام
ایجاد کیئے ہوں۔ اُن کی پیروی کرنا۔ اولیاء کی سنّت ہے چنانچہ حضرتِ
حنّا نے اپنی دُعا اور اُس کی قبولیّت اپنے حمل اور نذر کا ذکر اپنے خاوند
جناب عمران سے کیا۔ تو اُنھوں نے کہا۔ کہ حنا تو نے بے سوچ سمجھے نذر مان
لی۔ بیت المقدس کی خدمت کے لئے تو لڑکے دیئے جاتے ہیں۔ اگر تیرے
پیٹ میں لڑکی ہوئی۔ تو پھر تُو اپنی نذر کس طرح پوری کر سکے گی۔
وہ بولی جو ہونا تھا۔ سو ہو گیا۔ جیسے میرا خدا چاہے گا۔ ویسا ہی ہوگا حضرت
عمران کا حمل کے دنوں میں ہی انتقال ہو گیا۔ اور آپ ایک پارسا خاوند
کے سائے سے محروم ہو گئیں۔ جب وضع حمل ہوا۔ تو اُس وقت کو قرآن

پاک نے یوں بیان فرمایا ہے۔ (قرآن پاک) فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰی وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَ لَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰی وَ اِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَ اِنِّیْ اُعِیْذُهَا بِكَ وَ ذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ (ترجمہ) پس جب جنا اُس نے اُس کو تو وہ لڑکی تھی۔ حنّا بولی کہ اے میرے ربّ میں نے تو لڑکی جنی ہے۔ اب کیا کروں۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ اُس کو جو اُس نے جنا۔ حکم ہوا۔ اے حنّا غم نہ کر۔ اور نہ ہوتا۔ وہ لڑکا جسے تُو نے ہم سے طلب کیا تھا۔ مثل اس لڑکی کے یا نہیں آج کا کوئی لڑکا بھی اس کی مثل یعنی یہ لڑکی بڑی صاحب کرامت اور بڑے درجات کی مالک ہوگی۔ پھر حنّا بولی۔ اے میرے ربّ اولاد کے نام اُن کے باپ دادا رکھا کرتے ہیں۔ میں تو تنہا ہوں۔ تو میں نے ہی اس کا نام رکھا یعنی عابدہ اور بے شک میں اس کو اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ راندھے ہوئے شیطان سے۔ دوستو اس آیت کے آخری جملے پر غور کرو۔ اور حضرت حنّا کے خداداد علم کا اندازہ کرو۔ کہ ابھی لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ اور اُسے گود میں لے کر دُعا کر رہی ہے۔ کہ اے (اللہ) میں اس کو اس کی اولاد سمیت تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ جس سے بالکل ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ اُس کو اپنی بیٹی کی صغرسنی اور جوانی نیز اُس کے ہاں اولاد پیدا ہونے کا اور باقی ساری زندگی کا بعطائے الٰہی علم تھا۔ آج دنیا میں کون ماں کا لال ایسا ہے۔ جو اپنی بچی کے متعلق پورے وثوق سے اتنی باتوں میں سے ایک بات بھی کہہ سکے۔ اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو پھر اولیاء کو اپنے اُوپر کیوں قیاس کیا جاتا ہے۔ ایک اور ولیہ کا واقعہ بھی پڑھتے چلو۔ پارہ نمبر ۱۲۔ رکوع نمبر ۷

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حرم پاک جن کا نام حضرت سارۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے۔ رَبّ تعالیٰ جل شانہٗ فرماتا ہے۔ کہ ہم نے حضرت سارۃ رضؓ کو اُس وقت کہ وہ سن رسیدہ تھی۔ ایک لڑکے اسحاق علیہ السلام اور پوتے یعقوب علیہ السلام کی خوشخبری بذریعہ فرشتوں کے پہنچائی۔ ہنوز وہ حاملہ نہیں ہوئی تھی۔ عزیزو۔ ہم بارہا عرض کر چکے ہیں۔ کہ انبیاء و اولیاء کو بتعلیم الٰہی علم غیب ہوتا ہے۔ چنانچہ دُعا حضرت حنّا کی قبول ہوئی۔ ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ کہ ہر بچہ جب پیدا ہوتا ہے۔ تو شیطان اُسے ہاتھ لگاتا ہے۔ جس سے وہ روتا ہے۔ مگر حضرت مریم اور اُس کے فرزند ارجمند حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قریب نہیں ہوا۔

(شعر) دعائے دلی میں یہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

اس کی تائید میں اولیاء اللہ کی ظاہری نورانی زندگیوں کے بے شمار واقعات لکھے جا سکتے ہیں۔ جن سے اُن کی دُعاؤں کا قبول ہونا۔ اور تقدیر کا بدل جانا۔ اور دُنیا کی لاکھوں مشکلات کا حل ہو جانا۔ ثابت ہوتا ہے۔ حاصل مطلب۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ ہم نے حضرتِ حنّا کی لڑکی مریمؑ کو لڑکے کی جگہ قبول فرمالیا۔ اور بہت اچھی طرح سے بڑی جلدی اس کو پروان چڑھایا۔ حضرت حنّا اپنی ایک دو دن کی لڑکی کو کپڑے میں لپیٹ کر بیت المقدس لائی۔ اُس وقت مسجد کے خادمانِ خاص چاپی بردار ستائیس (۲۷) صوفی تھے۔ جن کے امام و پیشوا حضرت ذکریا علیہ السّلام تھے۔ ہر صوفی نے حضرت مریم رضؓ کی خدمت کرنے کی سعادت حاصل کرنے کی خواہش کی۔ حضرت ذکریا علیہ السلام سب کے امام اور نبی

ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت مریم کے قریبی رشتہ داروں میں سے تھے۔ اس لئے آپؑ نے فرمایا کہ میں اس کی پرورش کرنے کا تم سب سے زیادہ حقدار ہوں۔ مگر وہ سب نیکو کار بھی تکرار پُر اصرار یہی کہتے رہے۔ کہ حضور یہ سعادت ہمیں حاصل کرنے دیجیئے۔ چونکہ یہ بہت بڑی نیکی تھی۔ جس کی طلب میں ہر صوفی بار بار عرض کرتا تھا۔ اس کو حضرت ذکریاّ علیہ السلام کی بے ادبی نہ سمجھنا چاہیئے۔ بالآخر فیصلہ قُرعہ اندازی پر ٹھہرا۔ جب قُرعہ اندازی ہوئی۔ تو حضرت ذکریاّ علیہ السلام کے نام کا قرُعہ نکلا۔ چنانچہ اُن کا ربّ جل شانہٗ فرماتا ہے۔ (قرآن شریف) وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا۔ (ترجمہ) اور اُس کا پالنہار بنایا اللہ تعالیٰ نے ذکریاّ علیہ السلام کو۔ چنانچہ حضرت مریمؓ جناب ذکریاّ علیہ السلام کی نگرانی میں پرورش پانے لگیں۔ آپ بچپن سے ہی صاحب کرامات تھیں۔ کیونکہ ولیہ بنت ولیہ ہیں۔ اولیاء کے دو گروہ ہوتے ہیں۔ ایک فطرتی ولی۔ اور ایک کسبی۔ آپ پہلے والے گروہ میں سے تھیں۔ یعنی پیدائشی ولیہ۔ آپ نے بچپن میں کلام کیا۔ اور دوسرے بچے جتنا سال بھر میں بڑھتے ہیں۔ اُتنا آپ ایک مہینے میں بڑھتی تھیں۔ حضرت ذکریاّ علیہ السّلام پوری توجّہ سے آپ کی پرورش فرماتے تھے۔ ایک حجرہ آپ کے لئے مخصوص تھا۔ اُس میں رہا کرتی تھیں۔ جب حضرت ذکریا علیہ السلام کسی حاجت کے لئے کہیں تشریف لے جاتے۔ تو حجرے کو باہر سے قُفل لگا دیتے تھے۔ تھوڑی یا بہت دیر کے بعد جب بھی تشریف لا کر حجرے کا قفل کھول کر اس میں داخل ہوتے۔ تو جناب مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جو کرامات مشاہدہ فرماتے۔ اُن کا قرآن پاک نے بایں طور ذکر فرمایا ہے۔ (قرآن پاک) كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا

الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ (ترجمہ) جب کبھی کبھی داخل ہوتے۔ پاس حضرت مریم کے حضرت ذکریّا علیہ السّلام حجرے میں تو پاتے نزدیک اُس کے بے موسمے پھل اور ایسے عمدہ کھانے جن کی مثال دُنیا میں نہیں۔ فرمایا کہ اے مریم میں تو تیرے حجرے کو قفل لگا کر جاتا ہوں۔ میرے سوا اس کی چابی اور کسی کے پاس نہیں۔ اور نہ ہو سکتی ہے۔ تو پھر اس منقّل حجرے میں ایسے بے مثال بے موسمے میوہ جات کون اور کس طرح اور کہاں سے لاتا ہے۔ یہ سُن کر حضرت مریم رضؓ نے عرض کی حضور یہ جو آپ سب کچھ دیکھ رہے ہیں۔ (هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ) وہ اللہ جل شانہٗ کی طرف سے ہے۔ بے شک اللہ رزق دیتا ہے۔ جسے چاہے بغیر حساب کے۔

سوال۔ حضرت ذکریا علیہ السلام جناب مریم سے پُوچھتے۔ کہ یہ کھانے کون لاتا ہے۔ کہاں سے آتے ہیں۔ آپ تو نبی تھے۔ آپ کو اتنا بھی علم نہ تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ جس کو جو چاہے۔ جہاں چاہے۔ جس طرح چاہے۔ جس وقت چاہے۔ عطا فرما سکتا ہے۔ وہ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر ہے۔

جواب۔ بھائی انبیاء تو تشریف ہی اس لئے لاتے ہیں۔ کہ مخلوق خدا کو اُس کا خالق و مالک و رازق۔ قادر ہونا۔ واضح طور پر سمجھائیں۔ اور لوگوں کو جس قدر نیکی حاصل ہوتی ہے۔ اور جو درجہ جس کو حاصل ہوتا ہے۔ وہ انہیں حضرات علیہم السلام کے فیض سے ہوتا ہے۔ جناب مریم کی ولایت ذکریا علیہ السلام کی توجۂ خاص سے تھی۔ آپ نے اُن سے میوہ جات

کے آنے کا سبب دریافت فرما کر اور جناب مریم کے جواب سے آنے والی نسلوں کو ایک مسئلہ سمجھایا۔ وہ یہ کہ اللہ والوں کے پاس جو کچھ ہوتا ہے۔ خواہ وہ بے موسمے پھل ہوں۔ یا اور کرامات وہ اُن کی ذاتی ملکیّت نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ سب کچھ عطائے ربِ ذو الجلال سے اُن سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ چنانچہ جناب مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیتے ہوئے کہا۔ (ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ) اِن اللہ والوں نے کسی چیز کے متعلق اپنی ذاتی ملکیّت کا کبھی بھی دعوٰے نہیں کیا۔ بلکہ اپنے تئیں عاجز۔ گنہگار۔ بے اختیار ہی کہتے رہتے ہیں۔ ہمارے نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو ارشاد ہوتا ہے۔ کہ اے محبوب۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام کہہ دو۔ کہ میں ذاتی طور پر تو اپنے نفس کے نفع نقصان کا بھی مالک نہیں ہوں مگر جو اللہ شانہٗ چاہے۔ خدا نے چاہا۔ تو رُوئے زمین کے خزانوں کی کنجیاں بلکہ زمین و آسمان کی حکومت آپؐ کو عطا کی۔ جس کو جو چاہیں۔ جب چاہیں۔ عطا کریں۔ اور جس سے جو چاہیں۔ جب چاہیں چھین لیں۔ یہ قدرت رَبّ قدیر نے اُن کو عطا فرمائی۔ آج کل کچھ لوگ بڑی شدّت سے اِس بات پر کمربستہ ہیں۔ کہ جو مسلمان انبیاء و اولیاء کے اختیارات و علمِ غیب وغیرہ کے قائل ہیں۔ وہ مُشرک ہیں۔ اس کو بڑی شدومد سے بر سرِ منبر بیان کرتے ہیں۔ اُن کم عقلوں کو قرآن و حدیث کا بنظرِ ایمان مطالعہ کرنا چاہیئے۔ کم از کم ذاتی اور عطائی کا فرق ہی سمجھ لیں۔ تو اختلافات ختم ہو سکتے ہیں۔ پھر ذکریا علیہ السلام نے جناب مریم کے حجرے میں اُسی وقت ایک سُتھرا بیٹا عطا کرنے کی اپنے رَبّ سے دُعا کی۔ جس سے آپ نے قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے یہ مسئلہ ثابت کر دیا۔ کہ جہاں پر کوئی اللہ والا

رہتا ہو اُس کے دربار میں دُور و نزدیک سے جاکر دُعا مانگنا سنتِ انبیاء ہے۔ اور اُس کو شرک و بدعت کہنے والوں کے منہ میں لگام دے دی۔ آپ کی دُعا اور اُس کی قبولیت کا مفصّل ذکر ہم پہلے آپؑ کے واقعہ میں لکھ آئے ہیں۔ اب سنو حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بقیہ قصہ۔ آپ کا نام ہی مریم یعنی عابدہ تھا۔ پھر اولیاء کے خاندان سے تھیں۔ ہر وقت یادِ الٰہی میں مشغول رہتیں۔ ایک دن آپ پر ایسا خدا کا کرم ہُوا۔ کہ ملائکہ کی جماعت آپ کے پاس حاضر ہوئی۔ اور جو کلام انہوں نے آپ سے کیا دیکھو پارہ نمبر ۳۔ رکوع نمبر ۱۳۔ (قرآن پاک) وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِىْ وَارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝ (ترجمہ) یاد کر اے محبوب علیہ السلام جب کہا فرشتوں کی جماعت نے کہ اے مریم بے شک اللہ تعالیٰ نے چُن لیا تجھ کو یعنی لڑکے کی جگہ تجھ کو قبول کیا۔ اپنے نبی علیہ السلام کی کفالت میں تجھے پرورش کیا۔ اور خوب سُتھرا کیا تجھ کو یعنی ماہواری وغیرہ جو عارضے عورتوں کو ہوتے ہیں۔ سب کو تجھ سے دُور کیا۔ اور آج جہان میں جتنی عورتیں ہیں۔ سب سے تجھ کو برگزیدہ فرمایا۔ تو اے مریم ان نعمتوں کی شکرگزاری کرتے ہوئے فرمانبردار ہو کر اُٹھو۔ اپنے رَبّ کے لئے سجدہ کرو۔ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ آپ بیت المقدس کے حجرے میں جو رہتی تھیں۔ اس لئے حکم ہُوا۔ کہ یہیں اپنے حجرے میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لیا کرو۔ اس سے

عورتوں کا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔ اس بارے میں احادیث بکثرت ہیں۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظاہری زمانہ میں صحابیات نماز باجماعت مسجد نبوی شریف میں ادا کیا کرتی تھیں۔ اور آپ علیہ السلام ان کی رعایت فرماتے۔ مریمؑ کو نماز پڑھنے کا حکم دینے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ پہلے غافل تھیں۔ مقصد یہ تھا۔ کہ یادِ الٰہی میں پہلے سے زیادہ کوشش کرو۔ اور اس میں اعلیٰ مقام حاصل کرو۔ چنانچہ فرشتوں کا کلام سُن کر حضرت مریمؑ نے اتنا لمبا قیام کیا۔ کہ آپ کے قدم مبارک سُوج کر پھٹ گئے۔ اور اُن سے خون جاری ہو گیا۔ حضرت مریمؑ کا جتنا واقعہ یہاں تک لکھا گیا ہے۔ اُس سے آپ کی کئی کرامات کا پتا چلتا ہے۔ یہ لوگ قدرتِ الٰہی کے نشانات ہوتے ہیں۔ ان سے اکثر و بیشتر کرامات کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔ اب باقی واقعہ بیان کرتا ہوں جس سے آپ کو حضرت مریم کی اور کئی کرامات معلوم ہوں گی۔ اور اس کے ضمن میں ہی اس کے پیارے بیٹے عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کا واقعہ بھی آ جائے گا۔ مفسرین کرام نے لکھا ہے۔ کہ جناب مریم نے بیت المقدس یا اس سے باہر اپنے رشتہ داروں سے علیحدہ جانبِ شرق ایک باپردہ جگہ بنا رکھی تھی۔ جس میں بیٹھ کر عبادت کیا کرتی تھیں۔ ایک دن حسبِ دستور آپ یادِ خُدا میں مشغول تھیں۔ کہ اچانک ایک خوبصورت نوجوان جو درحقیقت جبریلؑ تھا۔ آپ کے سامنے نمودار ہوا۔ اور اُس نے آپ کو ایک ستھرے بیٹے کی خوشخبری دی۔ (نوٹ :۔ کتاب کا حجم بڑھتا جا رہا ہے۔ اس لئے ہم اس واقعہ کے متعلق جتنی آیات وارد ہوئی تھیں۔ اُن میں سے اکثر کا ترجمہ اور مفہوم لکھیں گے۔ آپ جو نسے ترجمے میں چاہیں اُن کے معانی دیکھ لیں۔) ہاں تو جب وہ نوجوان آیا۔ تو پھر اور بھی بہت سے فرشتے آپ کے سامنے آئے۔

جنہوں نے مل کر حضرت مریم رض کو بیٹے کی خوشخبری سنائی۔ اور اُس کی نعت خوانی کی۔ دیکھو پارہ نمبر ۳۔ رکوع نمبر ۱۳۔ آیت نمبر ۵ اور ۶ تک۔ یاد کرو اُس وقت کو جبکہ فرشتوں کی جماعت نے حضرت مریم سے کہا۔ کہ بیشک اللہ تعالیٰ آپ کو خوشخبری دیتا ہے۔ ایک کلمے کی جو اُس کی طرف سے ہے۔ نام اُس کا مسیح یعنی پیار سے ہاتھ پھیر کر مریضوں کو شفا دینے والا۔ عیسیٰ ابن مریم۔ بڑے رُعب والا دُنیا اور آخرت میں اور قرب والوں میں سے اور کلام کرے گا۔ پنگھوڑے میں جبکہ بچے کلام نہیں کر سکتے۔ اور پکی عمر میں اور نیکو کاروں سے ہوگا۔ اور سکھائے گا۔ اُس تیرے بیٹے کو اللہ تعالےٰ کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول بن کر آئے گا۔ ذرا خیال کرو۔ کہ حضرت مریم کو قبل از حمل بیٹے کے متعلق اتنا تفصیلی علم دیا گیا۔ پھر جناب مسیح علیہ السلام کے علم کا اندازہ کرو۔ کہ حکم ہوتا ہے۔ اُس کو بغیر کسی وسیلے کے کتاب و حکمت تورات و انجیل سکھائی جائے گی۔ وہ جوان جو نمودار ہوا تھا۔ وہ جناب جبریل علیہ السلام تھے۔ جو لباسِ بشری پہن کر آپ کے سامنے ظاہر ہوئے تھے۔ اس کو دیکھو پارہ نمبر ۱۶۔ سورہ مریم رکوع نمبر ۲ کے شروع سے آیت نمبر ۱۴ تک۔ اور یاد کرو بیچ کتاب کے یعنی قرآن شریف کے قصہ حضرت مریم رض کا جبکہ علیحدہ ہوئی۔ عبادت کرنے کے لئے اپنے گھر والوں سے مکان میں جو مشرق کی سمت تھا۔ پس پکڑا اُس نے اُن سے پردہ۔ یعنی وہ مکان باپردہ تھا۔ پس بھیجا ہم نے طرف اُس کی یعنی مریم کی اپنا روحانی یعنی جبرئیل علیہ السلام پس ظاہر ہوا۔ واسطے اُس کے تندرست بشر کی شکل میں جس سے ظاہر ہو گیا۔ کہ نوری فرشتہ لباسِ بشری میں آ جائے۔ تو وہ نور بھی ہوتا ہے۔ اور کچھ وقت کے لئے بشر بھی۔

نورانیت اور بشریت ایک ساتھ رہ سکتی ہیں۔ آج کل نُور۔ بشر کا جھگڑا زوروں پر ہے۔ اگر اس آیت پر تھوڑا سا غور کیا جائے۔ تو مسئلہ بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ کہ جبریلؑ نوری فرشتہ بشری لباس پہن کر آجائے۔ تو اُس کی نورانیت بحال رہتی ہے۔ تو وہ نورُ الانوار۔ سید الابرار جن کو اُن کا ربّ نُور اور سراجؒ منیر فرمائے۔ اور خود اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمائیں۔ کہ سب سے پہلے اللہ جل تعالیٰ نے میرےؐ نُور کو پیدا کیا۔ اگر وہ لباس بشریت پہن کر وہ بھی بیمثلؐ تشریف لائیں۔ تو اُن کے نُور ہونے میں کس طرح فرق آسکتا ہے۔ ہاں تو بات لمبی ہو گئی۔ جناب مریمؓ نے دیکھ کر کہا۔ اے اللہ کے بندے اگرچہ تو متقی اور پرہیز گار ہے۔ اگر تو خدا سے ڈرتا ہے۔ تو میں تجھ سے رحمان کی پناہ چاہتی ہوں۔ تو جلدی یہاں سے چلا جا۔ یعنی میں نے تے عمر بھر کسی مرد کو نہیں دیکھا۔ اگرچہ تُو پرہیز گار ہے۔ پھر بھی یہاں سے تشریف لے جا۔ یہ سُن کر جبریلؑ نے کہا۔ کہ اے بی بی میں تو تیرے رب کی طرف سے بھیجا ہُوا ہوں۔ جو تجھے ایک سُتھرا لڑکا دینے آیا ہوں۔ یہ سُن آپ سمجھ گئیں۔ کہ اس کا صرف لباس بشری ہے حقیقت میں یہ نُوری ہے۔ کہنے لگی۔ کہ حضرت میرے لئے کس طرح اور کیسے بیٹا ہو گا۔ مجھے تو کسی بشر نے ہاتھ نہیں لگایا۔ یعنی میں نے تو شادی ہی نہیں کی۔ اور نہ ہی میں نے عمر بھر بدکاری کی۔ جبریل علیہ السلام نے کہا۔ کہ بی بی اسی طرح تیرے ربّ نے فرمایا ہے۔ کہ وہ لڑکا دینا۔ بغیر وسیلے کے مجھ پر آسان ہے۔ اور یہ اس لئے ہے۔ کہ ہم اُس تیرے لڑکے کو لوگوں کے لئے اپنی قدرت کی نشانی کریں۔ اور رحمت ہم سے اور ہے۔ کام فیصلہ کیا ہُوا۔ یعنی تقدیرِ الٰہی میں اس بات کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ کہ تجھے اسی طرح لڑکا عطا ہو گا۔ یہ فرما کر

.جبریل علیہ السلام نے جناب مریمؓ کے دامن میں یا جہاں بھی خدا کی مرضی تھی۔پھونک ماری۔ تو فوراً جناب عیسےٰ علیہ السلام شکم مادر میں تشریف لے آئے۔ دیکھو خدا کے حکم سے پھونکِ جبریلؑ میں کتنا اثر تھا۔ یہ ہی وجہ ہے۔ کہ ہر زمانہ میں لوگ اللہ والوں کے پاس حاضر ہو کر اُن سے پھونکیں لگواتے ہیں۔ اور اُن کا اثر اپنے وجودوں میں پاتے ہیں۔ پس حاملہ ہوئی اُس کے یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے۔ پس چلی گئی اُسی حالت میں دُور مکان میں یعنی بیت المقدس سے کچھ دُور ایک مکان تھا۔ جس کو (بَیْتُ اللَّحْمِ) کہتے ہیں۔
حضرت مریمؓ اُس میں چلی گئیں۔ آپ کے حاملہ ہونے کا علم سب سے پہلے آپ کے چچازاد بھائی یوسف نجّار کو ہُوا۔ جو بہت بڑا پرہیزگار عبادت گزار آدمی تھا۔ اُس کو اس بات نے نہایت ہی متحیّر کر دیا۔ ہر وقت پریشاں حال اور سوچ بچار میں رہتا تھا۔ ایک طرف تو حضرت مریمؓ کے بچپن سے تاحال مسجد میں حاضری اور غیر محرم سے بالکل اجتناب اور وَلیّہ بنت وَلیّہ ہونے کو دیکھتا تھا۔ اور دوسری آپ کا حاملہ ہونا۔ ہر چند چاہتا کہ حضرت مریمؓ سے دریافت کرے۔ مگر بوجہ شرم و حیاء رُک جاتا۔ آخر اُس سے نہ رہا گیا۔ ایک دن کہا۔ کہ اے مریمؓ بھلا یہ تو بتا کہ درخت بغیر بارش کے کھیتی بغیر بیج کے۔ بچہ بغیر باپ کے ہو سکتا ہے۔ بھائی جو سب سے پہلی کھیتی تھی۔ اُس کا بیج کہاں تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے۔ درخت بغیر پانی کے قدرتِ الٰہی سے اُگے تھے۔ یہ مدّلل جواب سُن کر جناب یوسف خاموش ہو گئے۔ پھر جب آپ حمل کی وجہ سے ضعیف ہو گئیں۔ اور وقتِ ولادت عیسےٰ علیہ السلام قریب آیا۔ پس لایا اُس کو دردِ زہ طرف درخت تنے کھجور کے۔ جو قریب ہی جنگل میں تھا۔ اور بالکل سُوکھ چکا تھا۔ آپ اُس کی طرف

آئیں۔ تاکہ اُس سے ٹیک لگا کر بیٹھیں۔ چنانچہ آپ رضؓ بیٹھ گئیں۔ اور آپ کو درد محسوس ہو رہا تھا۔ آپ جانتے ہیں۔ کہ ایسے وقت میں عورت کو کیسی جگہ اور کتنی چیزوں اور کتنی مددگاروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر آپ تن تنہا سوائے خدائے پاک کے آپ کا کوئی پرسانِ حال نہیں اور پھر لوگوں کے ملامت اور طعن تشنیع کرنے کا بھی ڈر دامنگیر ہے۔ آپ نے کہا اے کاش کہ میں اس سے پہلے مر گئی ہوتی۔ اور بھول بھلا جاتی یعنی اب تک میرا نام بھی مٹ گیا ہوتا۔ پس پکارا اُس کو یعنی حضرت مریم رضؓ کو جبریل علیہ السلام نے نیچے اُس کے سے یعنی جہاں آپ تشریف رکھتی تھیں۔ وہ اُونچی جگہ تھی۔ اُس کے نشیب سے اُس پکار کا مضمون کیا تھا۔ یہ کہ اے مریم غم نہ کر تحقیق کیا ہے تیرے ربّ نے تیرے نیچے سے تیرے لئے ایک نہر کو جاری۔ یہ تو تیرے پینے کے لئے انتظام کیا ہے۔ اب دیکھ کھانے کا کس طرح اور کس مفید ترین چیز کا تیرے لئے انتظام ہوتا ہے۔ پس اپنے مبارک ہاتھوں سے اس سوکھے ہوئے تنے کھجور کو اپنی طرف ہلا۔ جس کو پنجابی میں (چُونہ مار) کہتے ہیں۔ تو پھر کیا ہو گا۔ جب اے مریم وَلیہ تیرے مبارک ہاتھ اس سُوکھے ہوئے درخت کو لگیں گے۔ تو فی الفور بغیر کسی توقف کے بحکم خدا تیری یہ کرامت ظاہر ہوگی۔ کہ یہ درخت ہرا ہو کر تجھ پر تازی پکی ہوئی کھجوریں گرائے گا۔ جب آپ نے اُسے ہلایا تو وہ اُسی وقت ہرا ہو کر کھجوریں گرانے لگا۔ پھر آپ کو حکم ہوا۔ کہ اے مریم رضؓ کھجوریں کھا اور میٹھا ٹھنڈا پانی پی۔ اور اپنے خوبصورت باوجاہت بیٹے نبی عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر اپنی آنکھ ٹھنڈی کر۔ یہاں پر ایک

مسئلہ سمجھتے چلو۔ اُوپر کی آیت میں حضرت مریم کی کرامت سے سُوکھے درخت کا ہرا ہو کر پھلدار ہونا بیان ہو رہا ہے۔ اور آپ نبی نہیں بلکہ ولیہ ہیں۔ اور بھی کئی اس قسم کے واقعات ہیں۔ کہ اللہ کے بندوں نے سوکھے درختوں پر نظر کی۔ تو وہ ہرے ہو کر پھل دینے لگے۔ اگر دُعائے ولی سے سُوکھا درخت ہرا ہو سکتا ہے۔ اور قرآن میں اس کا ثبوت بھی موجود ہے۔ کسی سُوکھی عورت پر اگر ولی توجہ کرے اور وہ ہری ہو کر صاحبِ اولاد ہو جائے۔ تو اس میں کونسا شرک ہے۔ دیکھو مشکوٰۃ شریف وغیرہ۔ کتبِ احادیث۔ فرمایا نبی کریم علیہ السلام نے کہ ایک ایسی قسم کا سانپ ہوتا ہے۔ کہ اگر وہ حاملہ عورت کے سامنے آجائے۔ تو اُس کا حمل گر جاتا ہے۔ بھائی انصاف کرو۔ کہ سانپ، باذن اللہ حمل گرا سکتا ہے۔ تو ایک ولی باذن اللہ، بچہ نہیں دے سکتا۔ اور اُس کی توجہ سے حمل قائم نہیں رہ سکتا۔ سانپ کی طاقت تو مانتے ہو۔ اور اولیاء کے تصرّف سے انکار پھر دعوئے مسلمانی کا۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کے تمام غم دُور فرما دیئے صرف لوگوں کے بُرا بھلا کہنے اور طعن و تشنیع کرنے کا غم باقی تھا دیکھو اس کی تجویز کیا بتائی جاتی ہے۔ اُس زمانے میں لوگ خاموشی کا روزہ رکھتے تھے۔ اور وہ جائز بھی تھا۔ حکم ہُوا۔ اے مریم اگر تُو کسی بھی بشر کو دیکھے۔ تو اشارے سے کہہ دینا۔ کہ بیشک میں نے رحمان کے لئے روزہ رکھنے کی نذر مانی ہے۔ یعنی میں نے خاموشی کا روزہ رکھا ہے۔ پس آج پُورا دن میں ہرگز کسی انسان سے کلام نہیں کروں گی۔ اور یہ بھی حکم ہوا۔ کہ اگر قوم تجھ سے اس بچے کے بارے میں سوال کرے تو اس کی طرف اشارہ کر دینا۔ پس آئی

حضرت مریمؓ اپنی قوم کے پاس اپنے بچے کو اُٹھائے ہوئے۔ لوگ بولے کہ اے مریم البتہ تحقیق لائی ہے۔ تو چیز بُری۔ یعنی تو نے نہایت ہی بُرا کام کیا ہے۔ اور اپنے خاندانِ اولیاء کو داغدار کر دیا ہے۔ اے ہارُون کی بہن۔ نہ تھا باپ تیرا بُرا آدمی اور نہ ہی تیری ماں بدکار تھی۔ یہ سُن کر پس اشارہ کیا اُس نے یعنی حضرت مریم نے طرف اُس کی۔ یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی۔ اب تو آپ کی قوم والے غضب ناک ہوئے اور بولے کہ ہم ایسے بچے سے کس طرح کلام کریں۔ جو کہ ہنوز گود میں ہے۔ یہ قوم کا کلام سُن کر حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام اپنے دائیں ہاتھ پر ٹیک لگا کر سیدھے بیٹھ گئے۔ اور فرمایا کہ دُنیا میں یہ قانون ہے کہ سب بچے ماں باپ کے اتّصال سے پیدا ہوتے ہیں۔ وہ ہے سُنّت اللہ اور جو مجھے لے کر میری ماں کو دینے آیا۔ وہ ہے ملک اللہ۔ رسول اللہ۔ اور مجھے بھیجنے والا ہے اللہ جل اور میرا آنا ہے قُدرتُ اللہ۔ اور میں ہوں عبدُ اللہ۔ نبیُّ اللہ جل۔ یعنی میری والدہ محترمہ پر طعن نہ کرو۔ میں صرف اللہ جل کی قدرت سے پیدا کیا گیا ہوں۔ آگے سنو۔ اُس خالقِ مطلق نے مجھے اِن خوبیوں سے مزیّن فرما کر بھیجا۔ (اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ) اُس نے مجھے کتاب عطا فرما دی ہے۔ (وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا) اور مجھے منصبِ نبوّت بھی عطا ہو چکا ہے یعنی میں ایک دو دن کا بچہ جو تمہارے سامنے اپنی امّی کی گود میں تمہیں نظر آ رہا ہوں۔ غیب کی خبریں دینے والا نبی اور صاحب کتاب انجیل ہوں۔ آگے سُنو۔ (وَ جَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا اَیْنَ مَا کُنْتُ) اور اُس نے مجھے مبارک و بابرکت بنا کر پیدا کیا۔ جہاں کہیں میں ہونگا۔

برکات میرے ساتھ ہوں گی۔ میرے قدم مبارک کہ جہاں پڑیں ۔ وہ زمین بابرکت ۔ میرے ہاتھ مبارک جس پر پھر جائیں۔ وہ تمام بیماریوں سے صحت یاب ۔ اور اُس کا وجود مبارک الغرض کہ جس چیز کا میرے ساتھ تعلق ہو جائے۔ وہ چیز مبارک ۔ کیونکہ میں ہوں۔ مُبارک۔ اور مجھے میرے خالق نے میری تا زندگی نماز اور زکوٰۃ کی وصیّت فرمائی ہے۔ اور میں اپنی امی جان کے ساتھ نیکی کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اور اُس خدا نے مجھے بدبخت نہیں کیا۔ مجھ پر سلام ہو ۔ اس دن کہ میں پیدا ہؤا ہوں۔ اور اُس دن بھی جب میں فوت ہوں گا۔ اور جس دن زندہ کر کے اُٹھایا جاؤں گا۔ مناسب ہو گا۔ کہ یہاں پر اپنے آقا و مولیٰ صلّی اللہ علیہ وسلم کا تھوڑا سا ذکر کرتا چلوں۔ اعلیحضرت فرماتے ہیں۔ (شعر)

اور نبیوں کو ملا معجزہ ایک ایک ؛ معجزہ بن کے آیا ہمارا نبیؐ

اُوپر لکھی ہوئی۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی تقریر ذہن میں رکھو۔ اور اپنے نبیؑ محترم علیہ السلام کی شان بھی ملاحظہ کرو۔ آپ بارہ (۱۲) ربیع الاوّل بروز پیر کی نورانی سُہانی صبح کو دُنیا میں تشریف لائے۔ امام اہلسنت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ (شعر)

جس سُہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند

اُس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

آپؐ نے تشریف لاتے ہی سب سے پہلے اپنی امّی جان کی گود سے زمین پر آ کر سجدے میں سر رکھّا۔ اور اُنگلی مبارک کو آسمان کی طرف اُٹھا کر کلمہ شہادت پڑھا۔ پھر اپنی اُمت کی مغفرت کی دُعا کی جس کو حاضرین نے سُنا۔ اُس کو پنجابی میں یوں عرض کیا ہے۔

(شعر) جس دم دُنیا اُتے آئے سوہنے شملے والے
طرف اسمان اُٹھائی اُنگلی کہیا عزیزی والے (تفسیر عزیزی)
نالے سر سجدے وِچ رکھیا سرور نبیؐ حقانی
واہ سبحان اللہ کیا شاناں ڈِتیاں ربّ گرامی
ایہہ دُعا فرمائی آقا پیش خداوند باری
بخش خُدایا اُمت میری ڈاہڈی اوگنہاری

آپؐ کی عمر شریف چار دن کی تھی۔ جبکہ دائی حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپؐ کے دادا جان حضرت عبدالمطلب کے ساتھ آپؐ کے درِ دولت پر آپؐ کی خدمت ہیں کیلئے حاضر ہوئی۔ دیکھا تو سرکارِ ابد قرار علیہ السلام آرام فرما ہیں۔ اسے مائی حلیمہؓ یوں بیان فرماتی ہیں۔

(شعر) قصد کیتا میں گود اُٹھاواں سرور نبیؐ الٰہی
نال شتابی دُدّھ پلاواں سینے لاواں بھائی
کھولیاں اکھّاں تے ہس آکھیا سرور میرے تائیں
میں ہاں پاک تے پاک ہو کر توں ہتھ میتوں پھر لائیں
پاک کیویں میں ہوواں بیٹا دسّو مینوں واری
حضرت آکھیا پڑھ لے کلمہ جائے نجاست ساری
دائی حلیمہؓ پڑھ کے کلمہ صدق ایمان لیائی
پہلی نظروں پاک نبیؐ نے دھوتی کفر سیاہی

الغرض تمام انبیاء علیہم السلام کو سارے کمالات اور منصب نبوّت ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی طفیل حاصل ہوئے ہیں۔ اب حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے بڑے ہو کر اپنی قوم کے سامنے وعظ کرتے اور اپنی خداداد

طاقتوں کے اظہار کرنے کا بیان کیا جاتا ہے۔ (قرآن پاک) اَنِّیْ قَدْ جِئْتُکُمْ بِاٰیَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ لا اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْہِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰہِ ج وَ اُبْرِئُ الْاَکْمَہَ وَ الْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ ج وَ اُنَبِّئُکُمْ بِمَا تَاْکُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۲ فِیْ بُیُوْتِکُمْ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۵ پ نمبر ۳ رکوع ۱۳۔

(ترجمہ) آپؑ نے اپنی تمام قوم کو اکٹھا کرکے برسرِ منبر اُن کو مخاطب کرکے فرمایا۔ کہ میری بات کو خوب دھیان سے سُنو۔ وہ بُت بے جان پتھر ہوتے ہیں۔ جو مکھی بنا۔ اُڑا نہیں سکتے۔ کسی کی کوئی حاجت نہیں۔ پوری کرسکتے۔ نہ کسی کی سُنیں۔ نہ دیکھیں۔ نہ کسی کو کچھ نفع و ضرر پہنچا سکیں۔ بالکل بے اختیار ہوتے ہیں۔ نبیوں اور ولیوں کو اُن پر قیاس کرکے اپنا بیڑا غرق نہ کرنا۔ آؤ میں تمہیں اپنے اختیارات سے آگاہ کروں۔ اولاً تو میرا آنا ہی خدا کی قدرت کی نشانی ہے۔ بھر تحقیق آیا ہوں۔ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی بہت سی نشانیاں لے کر۔ سُنو۔ وہ نشانیاں کیا ہیں تحقیق میں بناتا ہوں۔ واسطے تمہارے مٹی سے مثل شکل پرندے کی یعنی تمہارے سامنے اپنے ہاتھوں میں لے کر مٹی کا "باوا۔ بشکل پرندہ میں خود بناتا ہوں۔ پھر اُس میں پھونک بھی میں ہی لگاتا ہوں۔ تو وہ اللہ کے حکم سے اُڑنے لگتا ہے۔ یعنی اللہ تعالےٰ نے مجھے بنانے اور پھونک لگا کر اُڑانے کا اختیار بخشا ہے۔ اور سُنو۔ کہ میں بغیر کسی اپریشن ودوا

اور ظاہری اسباب کے پیدائشی نابیناؤں کو آنکھیں دیتا ہوں۔ اور شفا دیتا ہوں۔ بچا دیتا ہوں۔ تندرست کرتا ہوں۔ صحت مند کرتا ہوں۔ صفائی دیتا ہوں۔ توانائی دیتا ہوں۔ کوڑھیوں کو جن کا جسم اس بدترین بیماری نے خراب کر دیا ہو۔ میں تو مُردوں کو بھی زندہ کر لیتا ہوں۔ اے پر گھبرایئے گا نہیں۔ جن اختیارات کا میں نے بالاعلان دعوے کیا ہے۔ یہ میری ذاتی نہیں بلکہ باذن اللہ۔ اللہ جل شانہٗ کی عطا سے ہے۔ یہیں پر بس نہیں۔ بلکہ میں تمہیں ہر اُس چیز کی خبر دیتا ہوں۔ جو تم اپنے پیٹوں میں کھاتے ہو۔ اور جو کچھ اپنے گھروں میں ذخیرہ کر کے رکھتے ہو۔ حالانکہ تم میرے پاس یہ کام نہیں کرتے۔ مجھ سے دُور ہوتے ہو۔ ظاہر ہے۔ کہ جو پیٹ میں کھانے کو دیکھ کر اُس کی خبر دے سکتا ہے۔ اُس سے کھانے کا نام رنگ و بُو۔ لذّت۔ تاثیر۔ کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہے پھر دلوں کے حالات و خطرات وہ کیوں نہیں جان سکتا۔ پھر آپ قوم کے گھروں میں جمع کئے ہوئے۔ ذخیروں کی جو خبر دیتے ہیں۔ تو ضروری ہے۔ کہ یہ بھی آپ کو علم ہو۔ کہ کِس کِس کے گھر میں کون کون سی چیز کا۔ کِس کِس قسم کے برتنوں۔ یا۔ بوریوں میں کس تدبیر سے کہاں سے لا کر ذخیرہ کیا گیا ہے۔ آگے فرمایا۔ میرے بیان کردہ اختیارات بڑے وسیع ہیں۔ مگر ان پر اعتبار اور ان کا اقرار تم اس صورت میں کر سکتے ہو۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ یعنی اگر تم میں نُورِ ایمان موجود ہو۔ اور میں تصدیق کرتا ہوں۔ توریت کی جو مجھ سے پہلے نازل ہوئی۔ اور میں اس لئے بھی آیا ہوں۔

کہ بعض وہ چیزیں حلال کروں۔ جو تم پر حرام ہو چکی تھیں۔ اور میں تمہارے رَبّ کی نشانی لے کر آیا ہوں۔ (فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوْنَ) پس اللہ سے ڈرو۔ اور میری اطاعت کرو۔ تمہارا اور میرا ایک ہی رَبّ ہے۔ اُسی کو پوجو۔ (ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ٥) یہ ہی سیدھی راہ ہے۔ یہ تو تھی۔ آپ کی تقریر۔ اب دیکھیں۔ اُن کے اختیارات کا ظہور بھی ہُوا۔ یا نہیں۔ اکثر تفاسیر میں لکھا ہے۔ کہ آپ مٹی کا باوا بنا کر اُس میں پھُونک مارتے۔ تو وہ اللہ جل کے حکم سے اُڑ جاتا۔ ہر قسم کے بیمار و لاچار لاعلاج تمام اطراف و جوانب سے اَن گنت روزانہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ آپ اُن پر ہاتھ پھیر دیتے۔ تو وہ فوراً شفایاب ہو کر اپنے اپنے گھروں کو یہ کہتے ہوئے لَوٹتے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی عیسیٰ علیہ السلام پر کتنا کرم کیا ہے۔ کہ اُن کے ہاتھ مبارک میں اِتنی برکت رکھی ہے۔ جو آپ کو مُردہ زندہ کرنے کا اختیار دیا گیا تھا۔ اُس کا ظہور یوں ہُوا۔ کہ لوگوں نے آپ سے چار مُردے زندہ کرنے کی درخواست کی جن کو آپ نے بحکمِ خدُا زندہ فرما دیا۔ ان میں سے ایک تو سام بن نوحؑ تھے۔ جن کو فوت ہوئے۔ ہزاروں سال ہو چکے تھے۔ آپ اُن کی قبر پر تشریف لائے۔ اور اُسے زندہ کیا۔ اُس نے قبر سے باہر آ کر حاضرین سے کہا۔ کہ میں قبر میں لیٹا ہُوا تھا۔ اچانک میرے کان میں آواز آئی۔ کہ رُوح اللہ کی بات قبول کرو۔ میں ڈر گیا۔ کہ شاید قیامت قائم ہو چکی ہے۔ اِس لئے دیکھ لو۔ میرا آدھا سر سفید ہو گیا ہے۔ ازاں بعد وہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے اجازت لے کر اپنی قبر میں

لیٹ گیا۔ (۲) دوسرا آزر نامی ایک شخص آپ کا دوست تھا۔ وہ قریب الموت تھا۔ تو اُس کی بہن نے آپ کو اطلاع دینا چاہی۔ مگر آپ کہیں تشریف لے گئے تھے۔ اس کا انتقال ہو گیا۔ آپ تین دن کے بعد تشریف لائے۔ تو اُس کی قبر پر جا کر دُعا کی۔ اور وہ زندہ ہو گیا۔ مدّت تک زندہ رہا۔ اُس کے اولاد ہوئی۔ (۳) ایک مائی کا ایک ہی لڑکا تھا۔ جو اُس کے بڑھاپے کے عالم میں بے سہارا کر کے اَللہ جل جلالہٗ کو پیارا ہو گیا۔ اُس کا جنازہ عیسےٰ علیہ السلام کے سامنے سے گزرا۔ اور اُس کی ماں روتی چلّاتی گرتی پڑتی جنازے کے پیچھے پیچھے جا رہی تھی۔ یہ دیکھ کر حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو رحم آ گیا۔ تو اُس کو بحکمِ خدا زندہ کر دیا۔ وہ لوگوں کے کندھوں سے چھلانگ لگا کر زمین پر آیا۔ اور کپڑے پہنے۔ عیسےٰ علیہ السلام کے ہاتھ پاؤں چُومے۔ مائی نے گلے سے لگایا۔ پھر وہ مدّت تک زندہ رہا۔ (۴) چوتھے آپ نے ایک لڑکی کو زندہ کیا۔ حاصل مطلب جب آپ نے قوم کے سامنے خُدا کی توحید اور اپنی رسالت اور اختیارات اور ہدایت کی باتیں بیان کی۔ تو جن لوگوں کی قسمت اچھی تھی۔ اُنھوں نے آپ کا کلمہ پڑھ کر آپ کی غلامی کا پٹہ اپنی گردنوں میں ڈال لیا۔ اُن میں بارہ (۱۲) حواری پیش پیش تھے۔ ہر وقت آپ کے ساتھ رہتے۔ اور تبلیغ میں آپ کی مدد کرتے۔ ایک دن حواریوں نے عرض کی کہ اے عیسےٰ علیہ السلام ہم آپ سے ایک سوال کرنا چاہتے ہیں۔ پارہ نمبر ۷۔ رکوع نمبر ۵ کی آیت نمبر ۴ سے لے کر رکوع کے ختم تک۔ جس وقت کہا حواریوں نے کہ اے عیسےٰ ابن مریم علیہ السلام کیا تیرا ربّ طاقت رکھتا ہے۔ اس بات کی کہ نازل کرے اُوپر ہمارے ایک

پکائے کھانے کا دسترخوان آسمان سے۔ عیسےٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ اگر تم بدل و جان مومن ہو۔ تو اللہ جل جلالہ سے ڈرو۔ یعنی مسلمان ہو کر ایسا بیہودہ سوال کرتے ہو۔ مسلمان کا عقیدہ تو یہ ہونا چاہیئے۔ (یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَاءُ) کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے کر سکتا ہے۔ وہ بولے حضور ہمارے عقیدے میں تو خرابی نہیں ہم چاہتے ہیں۔ کہ اُس آپ کی دُعا سے اُترے ہوئے۔ کھانے سے کھائیں اور ہمارے دلوں کو اطمینان حاصل ہو۔ اور ہم جان لیں۔ کہ تُو نے ہم سے سچ کہا ہے اور ہم ہو جائیں ماننے والوں سے یعنی ہمارا یقین اور پختہ ہو جائے گا۔ عرض کی عیسےٰ ابن مریم علیہ السلام نے اے اللہ جل جلالہ اُتار اُوپر ہمارے دسترخوان آسمان سے کہ ہو۔ عید واسطے پہلے اور پچھلے ہماروں کے۔ اور نشانی تجھ سے یعنی جس دن وہ دسترخوان نازل ہو۔ اُس دن کو ہمارے اگلے پچھلے عید بنا لیں گے۔ اور تیری قدرت کی نشانی بھی ہوگی۔ یعنی دسترخوان کا اُترنا۔ اور رزق دے ہم کو کہ تُو سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے فرمایا۔ کہ اے عیسےٰ علیہ السلام دُعا آپ کی قبول ہوئی۔ اپنی قوم سے فرما دو۔ کہ میں اللہ جل جلالہ اُسے نازل کرنے والا ہوں۔ اُوپر تمہارے۔ پس جو کوئی ناشکری کرے گا تم میں سے پس بیشک اُسے ایسا عذاب کروں گا۔ جو جہان والوں سے کسی کو نہیں کیا۔ چنانچہ اتوار کے دن دسترخوان نازل ہوا جس میں قسم قسم کے کھانے تھے۔ پھر لگاتار اُترتا رہا۔ کچھ ہدایات اُس کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کو دی گئیں تھیں جنہیں وہ پُورا نہ کر سکے۔ تو پھر وہ خوان اُترنا موقوف ہو گیا۔ یہ تو ذکر تھا۔ آپ کے غلاموں کا جو ازلی بدبخت تھے۔ بالخصوص قوم یہود وہ آپ کے جانی دشمن ہو گئے۔ ہر وقت درپے آزار رہتے۔ ہر گھڑی آپ کے خلاف سازشیں کرنے میں مصروف رہتے۔ اُنہوں نے تورایت میں پڑھا تھا۔ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے نام والے ایک باکمال

نبی ہوں گے - جو یہودیت کو ختم کر کے دینِ عیسوی کریں گے۔ آپ کو دیکھ کر انہیں پختہ یقین ہو چکا تھا - کہ یہ وہی ہیں - اس لئے آپ کو شہید کرنے کی ٹھان لی - اور طریق کار یہ ہوا - کہ ایک دن سب یہودیوں نے مشورہ کر کے آپ کو ایک مکان میں بند کر دیا - اور آس پاس سخت پہرہ لگا دیا - پھر ایک آدمی کو تلوار دے کر مکان کے اندر بھیجا - کہ آپ کو شہید کر دے - چنانچہ اُن کا رَبّ فرماتا ہے - پارہ نمبر ۳ - رکوع نمبر ۱۳ کی آخری آیت (قرآن پاک) (وَ مَکَرُوْا وَ مَکَرَ اللّٰہُ ٥) اُن یہودیوں نے آپ کو مار ڈالنے کی تدبیر کی - اور اللہ تعالےٰ نے بچانے کی تدبیر فرمائی - اور اللہ تعالےٰ ہی سب سے بہتر تدبیر فرمانے والا ہے - دیکھو اللہ تعالےٰ نے آپ کے بچاؤ کی اپنی قدرت سے کتنی عمدہ تدبیر فرمائی - جب وہ بھیجا ہوا - آدمی اُس مکان میں گیا - تو حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو وہاں نہ پایا - سوچنے لگا - کہ ہم نے خود اُس کو اس مکان میں بند کیا تھا - پہرہ بھی بڑا سخت ترین تھا - کیا بات ہوئی - وہ کس طرح اور کہاں چلے گئے - اس سوچ میں اُسے کچھ دیر ہو گئی - تو لوگ مکان میں داخل ہوئے - قدرتِ الٰہیہ کا کرشمہ دیکھو - کہ اللہ تعالیٰ نے پیچ پچ نہیں - بلکہ اُن کی آنکھوں میں اُس آدمی کو عیسیٰ علیہ السلام کی صورت کا چکا دہ دیا - تو انہوں نے یہ سوچ کر کہ اس نے ہمارے آدمی کو قتل کر دیا ہے - اور اور خود یہاں موجود ہے - فوراً قتل کر دیا ہے - مگر جب باہر آئے - اور اُس آدمی کو ڈھونڈ کی اور کہیں سے اُس کا پتا نہ پایا - تو پچھتانے لگے - کہ ہائے ہم نے اپنے ہاتھوں اپنے عزیز کو قتل کیا - سچ ہے - جو کسی سے بُرائی کرتا ہے - وہ اپنے آپ سے کرتا ہے - ایک موٹی سی کہاوت مشہور ہے -

(مارن گیا سو ماریا) (مارن مول نہ جا)

حضرت عیسٰے علیہ السلام اُس مکان سے کہاں گئے۔ دیکھو پارہ نمبر ۶ رکوع نمبر ۲۔ آیت نمبر ۵۔ اور بولے کہ ہم نے مسیح عیسٰے ابن مریم رسول اللہ کو قتل کیا۔ حالانکہ نہ انہوں نے اُسے قتل کیا ہے۔ اور نہ سُولی دیا ہے۔ لیکن تشبیح بنا دی گئی تھی۔ واسطے اُن کے اور جو لوگ اُس میں اختلاف کرتے ہیں۔ البتہ وہ شک میں ہیں۔ اُس سے اُنہیں اُس کا کچھ علم نہیں۔ وہ تو ظن کی پیروی کرتے ہیں۔ اُنہوں نے حضرت عیسٰے علیہ السلام کو یقینی طور پر قتل نہیں کیا۔ بلکہ اُس کو اللہ تعالٰے نے اپنی طرف اُٹھا لیا۔ ثابت ہُوا کہ نہ تو آپ کو کسی نے سُولی دیا ہے۔ اور نہ ہی آپ مقتول ہوئے ہیں۔ عیسائیوں کا آپ کو سُولی پر لٹکائے جانے کا عقیدہ رکھنا خالی ڈھونگ ہے۔ اور قادیانیوں کا آپ کی وفات ثابت کرنا۔ قرآنی آیات سے انکار ہے۔ آپؑ زندہ آسمان پر اُٹھا لئے گئے۔ ہمارے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُن کو شبِ معراج میں دوسرے آسمان پر دیکھا۔ آپ جب اُٹھائے گئے اُس وقت آپ کی عمر شریف (۳۳) تینتیس سال کی تھی۔ باقی آپ کا قُربِ قیامت جامع مسجد دمشق (شام) کے شرقی مینار سے زمین پر آنا۔ اور امام مہدی رضی اللہ تعالٰے عنہ سے ملاقات کرنا اور قتلِ دجال اور آپ کی عمر شریف اور نکاح فرمانا۔ اولاد کا پیدا ہونا۔ پھر گنبدِ خضریٰ میں دفن ہونا۔ احادیث میں مذکور ہے۔ (علیہ الصلوٰۃُ والسلام)

حضرات اصحاب کہف

رحمۃ اللہ علیہ

کہف کہتے ہیں۔ غار کو یعنی غار والوں کا واقعہ۔ اب ایک ایسا واقعہ اولیاء اللہ کا لکھا جاتا ہے۔ جس کو پارہ نمبر ۱۵ سورۃ کہف کے شروع میں بیان کیا گیا ہے۔ اور معتبر تفاسیر میں اِس کی تفصیل موجود ہے۔ میں نہ بالکل مختصر اور نہ پُوری تفصیل کے ساتھ بلکہ اس کے مابین لکھتا ہوں۔ وہ اس طرح ہے۔ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد بنی اسرائیل کی حالت بہت ہی بدتر ہو گئی۔ تمام کفر و شرک بُت پرستی کرنے لگے۔ اور اُن کا بادشاہ بہت بڑا ظالم و مشرک تھا۔ لوگوں کو کُفر و شرک کی دعوت دیتا اور جبراً بُت پرستی کراتا۔ جو شخص انکار کرتا۔ اُسے قتل کرا دیتا۔ مگر قدرتِ خداوندی یہ ہے کہ وہ اپنے دُشمنوں کے گھر والوں سے اپنے جانثار پیدا فرماتا ہے۔ بُت گروں کے گھر میں بُت شکن پیدا ہوتے ہیں۔ اور اپنے کلیم علیہ السلام کو فرعون جیسے متکبّر۔ ظالم۔ خدائی کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے کے گھر میں رکھ کر اُس سے آپ کی پرورش کراتا ہے۔ سبحان اللہ قادرِ مطلق جو ہُوا۔ ادھر بھی یہ ہُوا۔ کہ اُس بُت پرست بادشاہ کے خاص درباریوں بڑے بڑے اُمراء وُزراء کے چھ خوبصورت نوجوان ہر

وقت اُس کے دربار میں حاضر رہتے تھے۔ اور اپنی کھیل کود۔ کشتی۔ گتکا وغیرہ کے کرتب دکھا کر اُسے خوش کیا کرتے تھے۔ ایک دن وہ سارے اُس کے دربار میں کھڑے تھے۔ کہ بادشاہ کے مُنہ پر ایک مکھّی بیٹھ گئی۔ اس نے اُڑایا۔ تو دوسری جگہ بیٹھ گئی۔ اُس نے مکھیّ کو اپنے جسم سے اُڑانے کی بہت کوشش کی۔ لیکن وہ اُڑا نہ سکا۔ یہ دیکھ کر اُن نوجوانوں نے آپس میں کہا۔ کہ بھائیو۔ یہ بادشاہ اپنے آپ کو خُدا کہلاتا ہے۔ اور ہم سے سجدہ کرواتا ہے۔ مگر کمزور اتنا ہے۔ کہ اپنے سے ایک مکھّی کو دُور نہیں کر سکتا۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ دعویٰ اس کا غلط ہے۔ اور یہ نرا کمزور ہے۔ اور جو پرستش کے لائق ہے۔ سارے جہانوں کا خالق و مالک ہے۔ اب اُس کی تلاش کرنی چاہیئے۔ بھائیو۔ دیکھو یہ ایک معمولی سی بات تھی۔ جس نے اُن کا سویا ہؤا بخت بیدار کیا۔ انہیں ہوشیار کیا۔ اُن کے دل میں نورِ ایمان چمکانے اور اُن کے ایمان لانے کا سبب بنی۔ سچ ہے عقلمند اشارے کو سمجھ جاتا ہے۔ اور بے عقل اپنی بیوقوفی کی سزا پاتا ہے۔ چنانچہ اُن نوجوانوں نے باہم مشورہ کیا۔ کہ تمام کاروبار گھر بار دوست یار تمام رشتہ دار چھوڑ کر کسی پہاڑ کی غار میں جا کر مصروفِ عبادت الٰہی ہونا چاہیئے۔ یہ مشورہ کر کے اپنے اپنے گھر سے کچھ نقدی لے کر چل دیئے۔ چلتے چلتے راستے میں ایک عیالی سے ملاقات ہوئی۔ اُس نے خوبصورت، نیک سیرت چمکیلے چہرے والے نوجوانوں کو دیکھ کر پُوچھا۔ شہزادو۔ خیر تو ہے۔ پیدل سفر کرتے ہو۔ کِدھر کا ارادہ ہے۔ اور کیوں جا رہے ہو۔ تو انہوں نے

عیالی کو اپنے ارادے سے مطلع کیا۔ اس پر عیالی نے کہا کہ آپ اللہ
تعالیٰ کے دین اور اُس کی آزادانہ عبادت کرنے کی خاطر اگر اپنے وسیع
کاروبار اور رشتہ دار چھوڑ کر اپنے تئیں سفر کی مصیبتوں میں گرفتار
کر سکتے ہیں۔ تو میں یہ تھوڑی سی بکریاں اپنے پیدا کرنے والے جلّ
شانہٗ کے دین کے لئے کیوں نہیں چھوڑ سکتا۔ اگر آپ اپنی صحبت
میں منظور فرمائیں۔ اور اجازت دیں۔ تو میں بھی آپ کے ساتھ چلتا
ہوں۔ اُنہوں نے فرمایا۔ تجھے ہم اپنی سنگت میں لیتے ہیں۔ بسم اللہ
چلو۔ اب وہ ساتوں چلتے ہیں۔ عیالی کا ایک کتّا تھا۔ وہ بھی اُن
کے پیچھے ہو لیا۔ ہر چند اُسے مارتے بھگاتے تھے۔ مگر وہ اُن کا پیچھا
نہیں چھوڑتا تھا۔ اُنہوں نے آپس میں کہا کہ یارو۔ ہم تو اس لئے جا
رہے ہیں۔ کہ غار میں چھپ کر عبادت کریں۔ اگر یہ ہمارے ساتھ ہوا۔
تو بھونک کر ہماری نشاندہی کرے گا۔ اس لئے اس کو مار ڈالنا چاہیئے۔
جب انہوں نے یہ ارادہ کیا۔ تو کتّے نے بارگاہِ ایزدی میں گڑگڑا
کر دُعا کی۔ کہ یا اللہ جلّ شانہٗ تیرے حکم سے بے جان پتھر درخت وغیرہ
بولتے ہیں۔ مجھ ناچیز کو تھوڑی سی دیر کے لئے بولنے کی طاقت دے
دے۔ تاکہ میں تیرے اِن اولیاء کو اپنے دل کی کہہ سُناؤں۔ اور
اپنے عقیدے سے اُن کو مطلع کروں۔ چنانچہ اُس کو طاقتِ کلام عطا
ہوئی۔ اُس نے اُن کی طرف منہ کیا۔ اور یوں متکلّم ہوا۔ (شعر پنجابی)

نہ مارو نہ تکّو مینوں کُتّے آکھ سُنایا
نال دھیان سُنو گل میری جس پاروں میں آیا
سُنیا میں جو نال دلیاں اپنا سنگ بنا دے

اُسدے اُتے بھی رَب عالم کرم کمال کماوے
ناں مَیں بھونکاں نہ مَیں ٹُونکاں نہ مَیں شور مچاواں
کراں اُمید طفیل تُساڈی مَیں بھی بخشیا جاواں
جدا ایہہ گل سُنائی کُتے وَلیاں ساتھ رلایا
ویکھو اُسدا ذِکر خداوند وِچ قرآن بتایا
اتنی برکت صحبت وَلیاں وِچ شمار نہ آوے
تے جیہڑا کرے بے ادبی اونہاں دوزخ ٹھکے کھاوے
یا رب پاک رحیم کریما اپنا کرم کمائیں
حافظ ستے شاگرداں یاراں وَلیاں سنگ رلائیں

اُن کے اِس سفر اور بوقتِ سفر اُن کی باہمی گفتگو کو قرآن شریف نے یوں بیان فرمایا ہے۔ (آیت) نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ط اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ۝ وَّ رَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ۝ (ترجمہ) ہم بیان کرتے ہیں۔ اُوپر آپ علیہ السلام کے اُن کی سچی خبر وہ کچھ جوان تھے۔ جو اپنے رَبّ پر ایمان لائے۔ اور ہم نے اُن کو ہدایت میں زیادہ کیا۔ اور اُن کے دلوں کو مربوط و مضبوط کیا۔ جب وہ کھڑے ہوئے سفر کے لئے تو بولے کہ یہ بُت اور ظالم بادشاہ ہمارے رَبّ نہیں۔ ہمارا رَبّ تو وہ ہے۔ جو زمین و آسمان کا رَبّ ہے۔ ہم اُس کے سوا کسی اور کو ہرگز معبود کہہ کے نہیں پُکاریں گے۔ اگر ایسا کریں تو بیشک ہم نے حد سے گزری ہوئی

بات کہی۔ اس ہماری قوم نے اُس سچے معبود کو چھوڑ کر جھوٹے خدا بنا رکھے ہیں۔ پھر اُس پر کوئی کُھلی دلیل بھی بیان نہیں کرتے۔ یعنی اپنے شرک کرنے کا کوئی قابلِ قبول ثبوت ان کے پاس موجود نہیں۔ صرف سُنی سنائی باتیں ہیں۔ پس اُس سے کون بڑا ظالم ہوسکتا ہے۔ جو اللہ ج پر جھوٹا بہتان باندھے۔ پھر آپس میں ایک دوسرے کا یقین و ایمان پختہ کرنے کے لئے اور سفر کی تکالیف کا غم غلط کرنے اور خالصاً اللہ ج کی طرف متوجہ ہونے کے لئے بولے کہ دوستو جب تم مشرکین اور اُن کے معبودوں سے علیحدگی اختیار کر چکے ہو۔ تو چلو جگہ لو طرف ایک غار کی پھیلا دے گا۔ تمہارے لئے رَبّ تمہارا اپنی رحمت سے اور مہیّا اور موجود کرے گا واسطے تمہارے کام تمہارے سے آسانی اور فراخی یعنی چلو ایک غار میں چلتے ہیں۔ ہمارے رَبّ کی رحمت ہمارے شاملِ حال ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ ہمارے لئے ہر مشکل کو آسان فرمادے گا۔ چنانچہ جب وہ ساتوں اللہ والے اپنی منتخب کردہ غار میں پہنچے۔ اور کُتّا بھی اُن کے ساتھ تھا۔ تو یوں دُعا کرنے لگے۔ (آیت) اِذْ اَوَی الْفِتْیَةُ اِلَی الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّ هَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ٥ (ترجمہ) جب جوانوں نے غار میں جگہ لی۔ تو بولے کہ اے ہمارے رَبّ ہمیں اپنے پاس سے رحمت دے۔ اور ہم نے گھر بار چھوڑ کر یہاں آنے کا جو کام کیا ہے۔ یہ خالص تیرے دین کے لئے ہے۔ لہٰذا اس کی فیوض و برکات ہمارے لئے پیدا فرما۔ یہ دُعا کر کے وہ ساتوں لیٹ گئے۔ اور اُن کا کُتّا غار کے منہ پر اپنے بازو پھیلا کر بیٹھ گیا۔ ارشادِ ربّانی ہے۔ (آیت) فَضَرَبْنَا عَلٰٓی

اٰذَانِهِمْ فِی الْکَهْفِ سِنِیْنَ عَدَدًا ۝ (ترجمہ) پس مارا ہم نے یعنی مقرر کر دیا۔ اُوپر کانوں اُن کے نیند کو غار میں گنتی کے کئی سال یعنی تین سو نو (۳۰۹) سال کے لئے اُن کو میٹھی نیند سُلا دیا۔ اُدھر جب بادشاہ کو اُن کے بھاگ جانے کا علم ہُوا۔ تو تلاش کرتے ہوئے غار کے منہ پر آ پہنچے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھو۔ کہ تلاش کرنے والے اُن کو لیٹے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ مگر پاس جانے کی کسی کو ہمّت نہ پڑی۔ ناچار بادشاہ نے غضبناک ہو کر حکم دیا۔ کہ اس غار کا منہ پتھروں سے بند کیا جائے۔ تاکہ یہ لوگ اس میں فنا ہو جائیں۔ یعنی پتھروں سے دیوار بنا دی جائے۔ چنانچہ دیوار بنانے کا کام جس کے سپرد ہُوا۔ وہ ایک نیک آدمی تھا۔ اُس نے تمام صاحبان کے نام مع اُن کے قبیلوں کے اور اُن کے وطن چھوڑنے اور غار میں چھُپنے کی وجہ ایک تختی پر لکھ کر تانبے کے صندوق میں بند کر کے دیوار کے بیچ میں رکھوا دیا۔ نیز ایک تختی اسی مضمون کی لکھ کر شاہی خزانے میں چُپکے سے رکھ دی۔ چونکہ دُنیا دار الفناء ہے۔ اس میں انقلاب رونما ہوتے رہتے ہیں۔ وہ ظالم بادشاہ اپنی چند روزہ زندگی کُفر و شرک میں گزار کر مر گیا۔ پھر اور کئی بادشاہ پیدا ہوئے۔ یہاں تک کہ ایک نیک عقیدہ۔ ایمان دار۔ خدا ترس۔ رعیّت پر نہایت مہربانی اور دین و دنیا میں اُن کی خیر خواہی کرنے والا آدمی اُس مُلک کا حکمران ہُوا۔ وہ ہر وقت اپنی رعایا کو کفر و شرک سے منع کرتا۔ اور دینِ حق کی دعوت دیتا تھا۔ اور قیامت کے روز زندہ ہو کر خُدا کے حضور حساب اعمال اور اُن کی جزا و سزا کے مسائل بتا کر اُنہیں قیامت کی مصیبتوں سے

ڈراتا تھا۔ اُس زمانے میں کچھ ایسے بدبخت لوگ تھے۔ جو سرے سے مرنے کے بعد اُٹھائے جانے کے منکر تھے۔ بادشاہ نے ہرچند بادلائل اُنہیں قائل کرنے کی کوشش کی۔ مگر وہ نہ مانے۔ بادشاہ کو یہ احساس تھا۔ کہ یہ لوگ میرے محکوم ہیں۔ بروزِ قیامت مجھ سے ان کے بارے میں پُرسش ہوگی۔ وہ چاہتا تھا۔ کہ کسی بھی طریقے سے آخرت پر یقین لاکر یہ دوزخ سے بچ جائیں سبحان اللہ نیکوکاروں کی خواہشات نیک ہی ہوتی ہیں۔ اور ہونی بھی چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ اے ایماندارو۔ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ سے بچاؤ۔ بالآخر ایک دن بادشاہ نے ایک مکان میں داخل ہوکر دروازہ بند کرکے اَللّٰہ تعالیٰ کے دربار میں گڑگڑا کر دُعا کرنی شروع کی۔ اے اَللّٰہ جلّ جلالہٗ یہ تیری مخلوق ہے۔ مجھ کو تُو نے ان کا حاکم مقرّر کیا ہے۔ تجھے معلوم ہے۔ کہ میں نے ان کو بڑی کوشش سے تبلیغ کی ہے۔ مگر منکرینِ قیامت کسی طرح بھی اس پر ایمان نہیں لائے۔ تُو اپنی مخلوق پر بڑا مہربان ہے۔ تیری قدرت سب پر غالب ہے۔ کوئی ایسی عجیب نشانی ظاہر فرما۔ جسے دیکھ کر یہ سبّ مسلمان ہوجائیں۔ اُسے الہام ربّانی ہوُا۔ کہ اے ہمارے بندے ہم نے تیری دُعا قبول فرمالی ہے۔ دیکھ ہماری قدرت کا کرشمہ۔ چنانچہ بادشاہ خوش و خُرم مکان سے نکلا۔ اب دیکھو قبولیّتِ دُعا کا (نتیجہ) کس صورت میں ظاہر ہوُا۔ اصحابِ کہف کو سوئے ہوئے اب تک تین سو نو (۳۰۹) سال ہو چکے تھے۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے (قرآن پاک)

وَلَبِثُوْا فِیْ کَہْفِہِمْ ثَلٰثَ مِائَۃٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ۝ (ترجمہ) اور ٹھہرے وہ۔ یعنی سوتے رہے۔ اپنی غار میں (۳۰۹) تین سو نو سال تک۔ بحکمِ خُدا اچانک جاگے۔ اور ایک

دوسرے کو سلام کیا۔ اُن کی اُس وقت کی باہمی گفتگو کو قرآن شریف نے
یوں بیان فرمایا ہے۔ پارہ نمبر ۱۵۔ سورہ کہف رکوع نمبر ۳۔ آیت نمبر ۲
اور اسی طرح اُٹھایا ہم نے اُن کو۔ تاکہ سوال کریں آپس میں۔ کہا ایک
نے اُن میں سے کہ تم بھلا غار میں کتنی مدّت ٹھہرے ہو۔ وہ بولے بظاہر
تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک پورا دن یا دن کا کچھ حصہ ہم یہاں
ٹھہرے ہیں۔ یعنی اب سورج غروب ہونے کو ہے۔ جب ہم سوئے تھے۔
تو چاشت کا وقت تھا۔ اب اگر یہ وہی ہمارے سونے کا دن ہے۔
تو کچھ حصّہ ہؤا۔ اگر دوسرا دن ہے تو پُورا ہؤا۔ پھر جب انھوں نے
اپنے ناخنوں اور بالوں کو بڑھے ہوئے دیکھا۔ تو بولے کہ چلو یار۔
اس بحث کو چھوڑو۔ تمہاری اس ٹھہرنے کی مدّت کو تمہارا رُبّ خوب
جانتا ہے۔ بُھوک لگ رہی ہے۔ اس کا کچھ بندوبست کریں۔
بولے کہ یہ چاندی کے درہم جو ہم اپنے ساتھ لائے تھے۔ کسی اپنے
فرد کو دے کر شہر کی طرف بھیجو۔ اُس کو چاہیئے۔ کہ شہر میں
جا کر تمام ہوٹلوں میں کھانے پکانے والوں کا معائنہ کرے۔
پس دیکھے۔ کہ اُن میں سے کون زیادہ سُتھرا ہے۔ کھانا پکانے
میں۔ تو اُس سے کھانا خرید کر تمہارے لئے لائے۔ کیونکہ ہم
خُدا کے فضل سے پاک اور سُتھرے ہیں۔ پلید اور ردّی
کھانا استعمال کرنا ہماری شایان شان نہیں۔ اور چاہیئے
کہ بات کرنے میں وہ نہایت نرمی برتے۔ اور کسی طرح بھی
کسی کو تمہاری خبر نہ دے۔ یعنی چپکے سے مختصر سی نرم کلامی
کے ساتھ کھانا خرید کر واپس آ جائے۔ نیز انہوں نے کہا۔ کہ اگر

شہر والے تمہاری خبر معلوم کریں گے۔ تو وہ تم پر غلبہ کر کے تمہیں پکڑ کر سنگسار
کر دیں گے۔ یا پھر اُن کا کفریہ دین تم کو قبول کرنا ہوگا۔ پھر تم اُن سے
ہرگز کبھی خلاصی نہ پا سکو گے۔ اس لئے کھانا لانے والا ہماری ہدایات
پر سختی سے عمل کرے۔ چنانچہ ایک ساتھی منتخب شدہ شہر کی طرف چلا۔
جب شہر کے دروازے پر پہنچا۔ تو دیکھا۔ کہ شہر کا رنگ بدلا ہوا ہے۔
عجیب سماں ہے۔ خوش گوار فضا ہے۔ لوگوں میں محبت بے پناہ
ہے۔ مخلوق مشغول ذکرِ خدا ہے۔ توحید کا دَور دَورہ ہے۔ سچے دین
کا چرچا ہے۔ بُتوں کی فنا ہے۔ ظالموں کا نام مٹ گیا ہے۔ چہروں
پر ایمان کی ضیا ہے۔ گمراہیوں کا اندھیرا چھٹ گیا ہے۔ خُدا کی
رحمتوں کا ابر برس رہا ہے۔ لوگ اپنی باتوں میں حضرت عیسیٰ علیہ
السلام کے نام کی قسمیں کھاتے ہیں۔ یہ حیران کُن منظر دیکھ کر وہ
بندۂ خدا تحیر سے سوچ کے دریا میں ڈوب گیا۔ یعنی اُس کو
بہت زیادہ تعجب ہُوا۔ خیر اُس نے ساتھیوں کی ہدایت کے
موافق کسی بہت ستھرے نانبائی سے کھانا خریدا۔ اور جب
اُس کو پیسے دیئے۔ تو اُس نے درہم کو دیکھتے ہی شور مچا دیا۔ کہ لوگو
آؤ دیکھو کہ یہ آدمی ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ کسی پُرانی بادشاہی
کا خزانہ اس کے ہاتھ لگا ہے۔ چنانچہ بہت سے لوگ اکھٹے ہو گئے۔
اور چونکہ اُس بزرگ کو سخت کلامی سے روک دیا گیا تھا۔ وہ نرمی
کے ساتھ آہستہ آہستہ بات کرتا تھا۔ کسی نے اس کی ایک نہ سُنی۔ اور
اُسے پکڑ کر حاکمِ شہر کے پاس لے گئے۔ نیک بخت بادشاہوں کے
مقرر کردہ حاکم بھی عموماً نیک ہی ہُوا کرتے ہیں۔ حاکمِ شہر ایک صالح

مرد تھا۔ اُس بزرگ کا بڑا احترام کیا۔ اور بڑی عزت کے ساتھ اپنے پاس بٹھایا۔ اور بڑے ادب سے پوچھا۔ حضرت یہ روپے آپ نے کہاں سے لئے ہیں۔ وہ بولا جناب عالی۔ کل کی بات ہے۔ کہ ہم سات آدمی دقیانوس کے خوف سے بھاگ کر غار میں جا چھپے۔ تاکہ اپنے پیدا کرنے والے کی بے خوف ہو کر عبادت کریں۔ آج میرے ساتھیوں نے مجھے کھانا لینے کے لئے بھیجا ہے۔ میں نے کھانا خریدا۔ اور اُس کی قیمت نانبائی کو دی۔ تو اُس نے شور مچا کر سارا شہر اکٹھا کر لیا۔ اور میرے لئے یہ مصیبت کھڑی کر دی۔ حاکم بولا۔ بڑے میاں خواب میں ہو۔ یا بیداری میں۔ آپ کل کی بات کرتے ہیں۔ جو سکہ آپ کے پاس ہے۔ اس کو رائج کرنے والے کو مرے ہوئے تین سو نو (۳۰۹) سال ہو چکے ہیں۔ اُس نے کہا۔ کہ مجھے لمبی بحث میں نہ ڈالو۔ یہ اپنا کھانا اور میری رقم بھی رکھ لو۔ اور مجھے چھوڑ دو۔ کہ میں اپنے ساتھیوں کے پاس چلا جاؤں۔ وہ بڑی بیتابی سے میرا انتظار کرتے ہوں گے۔ حاکم سمجھ گیا۔ کہ یہ کوئی عجیب بات ہے۔ ہاتھ جوڑ کر عرض کی۔ کہ حضور ہم سب آپ کے غلام ہیں۔ ہم میں سے کس کی مجال ہے۔ کہ آپ کی بے ادبی کرے۔ ہم صرف اتنی عرض کرتے ہیں۔ کہ جہاں آپ نے اتنا وقت گزارا ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے آپ ہمارے ساتھ بادشاہِ وقت کے پاس چلیں۔ مرضی الٰہی یہ ہی تھی۔ وہ اُن کے ساتھ بادشاہِ وقت کے پاس حاضر ہُوا۔ یہ وہی بادشاہ تھا جس کا ذکر آپ اُوپر پڑھ چکے ہیں۔ نام اُس کا بیدروص (بیدروس) تھا۔ وہ اس کو دیکھ کر بہت خوش ہُوا۔ اور سمجھا کہ میری دُعا کی قبولیت کے نتیجے میں خدا کی قدرت کی نشانی یہ اصحاب ہیں۔ بادشاہ نے کہا کہ حضرت چلو اپنے

باقی ساتھیوں کی بھی زیارت سے ہمیں مشرف کرو۔ وہ اس پر رضامند ہوگیا۔ چنانچہ تمام اہل شہر اور بادشاہ اُس کے ساتھ غار کی طرف چل پڑے۔ جب غار کے قریب پہنچے۔ تو اصحاب کہف نے بہت سے گھوڑوں کے قدموں کی آواز اور آدمیوں کا شور سُن کر سمجھا۔ کہ دقیانوسیوں نے ہمارے ساتھی کو پکڑ لیا ہے۔ اور اب وہ ہمیں پکڑنے آرہے ہیں۔ اتنے میں اُن کا ساتھی دوڑ کر لوگوں سے ان کے پاس آیا۔ اور جلدی جلدی کچھ ماجرا اپنا سنا کر بادشاہ کے غار میں آنے کی انہیں خبر دی۔ یہ گفتگو ہو رہی تھی۔ کہ بادشا آپہنچا۔ تمام حضرات نے اُٹھ کر اُسے گلے سے لگایا۔ اور اُس کے لئے امن و امان سلامتی مُلک ترقی دین و دُنیا کی دُعا کی۔ اور اپنی سرگزشت اُسے سنائی۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ کہ کافر بادشاہ دقیانوس کے وقت جس نے غار کے منہ پر دیوار بنائی۔ اُس نے ان کا تفصیلی حال ایک تختی پر لکھ کر صندوق میں رکھ کر وہ صندوق دیوار میں لگا دیا تھا۔ اب وہ دیوار گر چکی تھی۔ جبھی تو یہ لوگ بے تکلف اُن کے پاس پہنچ گئے تھے۔ وہ صندوق بادشاہ کی نظر پڑا۔ اُس نے صندوق کھلوا کر جو دیکھا۔ تو وہ تختی اُس میں نظر آئی۔ نکال کر جو پڑھا۔ تو جو داستان اپنی اصحاب کہف نے اُس کو سُنائی تھی۔ ہُو بہُو۔ اُس میں مرقوم ہے۔ اب اُس کا یقین پہلے سے بھی زیادہ پختہ ہوگیا۔ اُس نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ مولا تیرا شکر ہے۔ کہ تو نے اپنی بہت بڑی قدرت کی نشانی ظاہر فرمائی۔ پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہوا۔ اور کہا کہ اے لوگو۔ دیکھو جس خدائے عزّ و جل نے ان لوگوں کو ۳۰۹ (تین سو نو) کے بعد اس غار سے اُٹھایا تھا۔ وہ بروز قیامت تمام مخلوق

کے زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ اُس کی قدرت کا انکار کرنا بڑی حماقت ہے۔
اللہ جل شانہٗ تعالیٰ اُن کے اٹھائے جانے کی وجہ بیان فرماتے ہیں۔ (قرآن پاک)
وَكَذٰلِكَ اَعۡثَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ لِيَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيۡبَ فِيۡهَا ۝ (ترجمہ) اور
اسی طرح خبردار کیا ہم نے اُن کو یعنی اُس زمانے کے لوگوں کو اُوپر اصحاب
کہف کے۔ تاکہ وہ جان لیں۔ تحقیق اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے۔ اور قیامت
بیشک آئے گی۔ یعنی اصحاب کہف کو اس لئے ظاہر کیا گیا۔ کہ لوگ قیامت
کا یقین کریں۔ یہ خُدا کا وعدہ ہے۔ وہ اُس کے وعدے کو حق سمجھیں۔ الغرض
بادشاہ کے حق میں دُعا فرما کر اصحاب کہف اپنی اپنی خوابگاہوں میں لیٹ گئے۔
اب حاضرین میں اختلاف پیدا ہُوا۔ کوئی کہتا تھا۔ کہ غار کے منہ پر ایک گنبد
بنا کر ایک تختی پر حال ان کا لکھ کر اُس پر لٹکا دیا جائے۔ کسی کا خیال تھا۔ کہ
پہلے کی طرح صندوق میں رکھ کر دیوار میں لگا دیا جائے۔ کئی اور تجاویز بھی زیر
غور آئیں۔ مگر بادشاہ اور اُس کے ساتھ اکثریت کی یہ رائے ہوئی۔
کہ ان کی غار کے پاس ایک مسجد بنا دی جائے۔ تاکہ اطراف سے لوگ
آکر اُس میں نماز پڑھیں۔ اور ان اللہ والوں سے مسجد میں ہی بیٹھ
کر فیض حاصل کریں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (قرآن پاک) قَالَ
الَّذِيۡنَ غَلَبُوۡا عَلٰٓى اَمۡرِهِمۡ لَنَـتَّخِذَنَّ عَلَيۡهِمۡ
مَّسۡجِدًا ۝ (ترجمہ) جن کی اکثریت تھی۔ وہ بولے ہم ضرور بالضرور
ان کے پاس ایک مسجد بنائیں گے۔ چنانچہ مسجد تعمیر ہوئی۔ ہر سال ہر طرف
سے زائرین کا مجمع ہوتا۔ جو ان اولیاء کا عرس مناتے۔ اور فیضان الٰہی
بواسطہ اولیاء حاصل کرتے۔ دیکھو تفسیر خزائن وغیرھا۔ اس سے ثابت

ہُوا۔ کہ اولیاء اللہ کے مزارات پُر انوار کے نزدیک تعمیرِ مساجد اور انعقادِ اعراس یعنی عُرسوں کا منانا۔ مسلمانوں کا قدیم سے طریقہ چلا آتا ہے۔ جو لوگ اولیاء کے پاس جانے۔ اور بعد از وفات اُن کے عرس منانے اور اُن میں شامل ہونے کو بدعت اور شرک اور نہ جانے کیا کیا کچھ کہتے ہیں۔ اور چیخ چیخ کر چلّا چلّا کر گلے کو پھاڑ پھاڑ کر رونی صورت بنا کر اس کا ثبوت مانگتے ہیں۔ اُن کو اپنے دل و دماغ کو قابو میں رکھ کر زبان پر کنٹرول کرتے ہوئے۔ بنظرِ انصاف اُوپر لکھی ہوئی قرآنی آیت کو پڑھنا اور جس تفسیر کا ہم نے حوالہ دیا ہے۔ اُسے دیکھنا چاہیئے۔ ورنہ ضد اور ہٹ دھرمی کا علاج تو خدا کی پُوری خدائی میں میسّر نہیں۔ الغرض آپ تاریخ اور حالاتِ اولیاء کی کتب کو دیکھیں۔ تو پتہ چلے گا۔ کہ مسلمانِ غازیانِ اسلام جہاں گئے۔ اُن کا پہلا کام مسجد تعمیر کرنا تھا۔ اسی طرح اولیاء عظام میں سے جو بھی جس زمانے میں جس جگہ تشریف لائے۔ اُنہوں نے مسجد تعمیر فرمائی۔ مشاہدے کی بات ہے۔ کہ ہر ولی کے مزار پُر انوار کے پاس مسجد ضرور ہوتی ہے۔ خدا کے فضل سے ہم سُنّی اولیاء کے نیاز مند ہیں۔ وہ اپنے فضل و کرم سے اور اپنے پیارے بندوں کی برکت سے ہمیں توفیق دے! کہ مسجدیں آباد کریں۔ ذکرِ خدا اور سلام مصطفٰے علیہ السلام سے اُن کو پُر رونق کریں۔ افسوس۔ آج بہت سے نام کے پیر لیکن شریر اور نفس پرست اُن کے مُرید ایسے ہیں۔ جو مسجد میں قدم نہیں رکھتے۔ اعمال میں معاملات میں بالکل شریعت کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ نشہ آور چیزوں کا استعمال سُنّتِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا پامال اُن کا اہم مشغلہ ہے۔ پھر ستم بالائے ستم یہ ہے کہ اسلام کے بتائے ہوئے عقائد و اعمال کا تمسخر اُڑاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ یہ روزے نمازیں

حج کرنا۔ مسجدیں بنانا۔ داڑھی بڑھانا۔ یہ سب دکھلاوے کی باتیں اور ٹھگ بازی کا سامان ہے۔ یہ مُلاں بیچارے کیا ہیں۔ ہم وہ نماز پڑھتے ہیں جس کی ان کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں۔ اللہ تعالےٰ ہمیں ایسے لوگوں سے اپنی پناہ میں رکھے۔ الغرض بادشاہ مسجد بنا کر معہ اپنی رعیّت کے شہر کو چلا گیا۔ اور تازیست عبادتِ الٰہی میں مشغول رہا۔ پھر داعیٔ اجل کو لبیک کہتا ہُوا عالمِ بقاء کو چلا گیا۔ وہ حضرات بدستور سوتے رہے۔ جب ہمارے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اعلانِ نبوّت فرمایا۔ چونکہ آپؐ کی رسالت تمام جہانوں کے لئے عام ہے۔ اور یہ حضرات بھی جہان میں شامل ہیں۔ آپ کو فرمانِ الٰہی ہُوا۔ کہ اُن گوشہ نشینوں کو بھی اپنے فیض سے بہرہ ور فرمایئے۔ چنانچہ آپؐ نے اُس کا طریق کار یہ کیا۔ کہ ایک چادر بچھا کر علی المرتضیٰ رضؓ کے ساتھ کچھ اور حضرات کو اُس پر بٹھایا۔ اور ہُوا کو حکم دیا۔ کہ جس طرح تو تختِ سلیمان علیہ السلام کو اُڑایا کرتی تھی۔ اُسی طرح ہمارے اِن صحابہ رضؓ کو اُڑا کر اصحابِ کہف کی غار پر لے جا۔ چنانچہ ہوا نے فوراً تعمیل حکم کی۔ اور آناً فاناً غار تک پہنچا دیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ معہ ساتھیوں کے اُن کے پاس گئے۔ یہ حضرات قدموں کی آہٹ سُن کر جاگ پڑے۔ اور پوچھا بھائیو کہاں سے تشریف لائے ہو۔ اور کس طرح اور کیوں یہاں آنے کی زحمت گوارا کی۔ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ کہ اے حضراتِ اولیاء ہم مدینہ عالیہ سے آئے ہیں۔ ہمیں خاتم الانبیاء صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بھیجا ہے۔ کہ آپ کو دینِ مصطفویٰ میں داخل کریں۔ یہ سُن کر وہ از حد خوش ہوئے۔ اور بخوشی دینِ اسلام کو قبول کیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن کو کلمہ پڑھا کر

ؔ حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق و ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجمعین۔

فارغ ہوئے۔ تو اُن سے مل کر غار سے باہر آئے۔ اور چادر پر بیٹھ گئے۔ آنکھ جھپکنے سے پہلے مدینہ عالیہ پہنچ گئے۔ دیکھو تفسیر قادری حسینی ۵؎) حضرات اصحاب کہف بدستور سو رہے ہیں۔ قرب قیامت جب ظہور امام محمد مہدی کا ہوگا۔ تو اُٹھ کر اُس کی کمان میں جہاد کر کے جام شہادت نوش فرمائیں گے۔

(نوٹ)۔ یہاں پر مختصر طور پر یہ واقعہ لکھ کر اب اسی پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

سوال نمبر ۱۔ آپ نے شروع واقعہ میں ولیوں کے ساتھ عیالی کے کُتّے کا ساتھ جانا بھی لکھا ہے۔ مگر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اُس کو کب تک اس کی سنگت نصیب ہوئی۔ اور پھر وہ کہاں گیا۔

جواب۔ بھائی یہ ایسی لجپال ہستیاں ہیں۔ کہ جس چیز کا اُن کے ساتھ تعلق ہو جاتا ہے۔ اس کی شان کو چار چاند لگا دیتی ہیں۔ اور جو بصدقِ دل اُن کے درباروں میں حاضر ہو جائے۔ اُسے یہاں دُنیا میں کیا۔ آخرت میں بھی نہیں چھوڑیں گے۔ قرآن شریف پارہ نمبر ۲۵ میں ارشادِ خداوندی ہے۔ بروزِ حشر تمام دوستیاں ٹوٹ جائیں گی۔ ہاں اللہ والوں کی محبت وہاں پر رنگ لائے گی۔ وہ کُتا نجس العین یعنی بالکل پلید۔ جب پوری عقیدتمندی سے اُن کے ساتھ ہوا۔ تو خدائے قدوس نے اُس پر کتنا کرم کیا۔ کہ قرآنِ پاک میں اُس کا ذکر آیا۔ (قرآن پاک) وَ کَلْبُهُم بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ ۵؎ (ترجمہ)

۵؎ نور الابصار مطبوعہ مصر صفحہ نمبر ۷

فرمایا جب سے وہ غار میں داخل ہوئے ہیں۔ اور جب تک رہینگے اُن کا کُتا اپنے دونوں بازو پھیلائے ہوئے غار کے منہ پر موجود رہے گا۔ پھر موت کی لذّت چکھے گا۔ بروز قیامت زندہ ہوکر بشکل نورانی ان اولیاء کے ساتھ داخل ہوگا۔

سوال نمبر۲۔ وہ حضرات ۳۰۹ سال کے بعد اُٹھے۔ اور اُن کے وجود اُسی طرح تھے۔ بلکہ آپ نے لکھا ہے۔ کہ اُن کے بال اور ناخن بھی بڑھ چکے تھے اور خدا جانے ابھی کتنی مدّت تک سوتے رہینگے۔ تو یہ کچھ عقل سے بالاتر ہے۔ ذرا وضاحت کر دیجئے گا۔

جواب۔ اے عزیز۔ حدیث شریف میں ہے۔ کہ جو اللہ کا ہو جاتا ہے۔ (کَانَ اللّٰہُ لَہٗ) اللہ اُس کا ہو جاتا ہے۔ قرآن شریف میں ہے۔ کہ جو شخص اللہ پر بھروسہ کرتا ہے۔ پس وہ اُسے کافی ہے۔ جب یہ حضرات اُس کے ہوگئے۔ تو تمام جہان اِن کا ہوگیا۔ کسی بزرگ نے فرمایا ہے۔ خدا ضائع نہیں کرتا۔ کبھی اپنے نیک بندوں کو۔

(شعر) کبھی نصرت نہیں ملتی درِ مولیٰ سے گندوں کو

دیکھو۔ ان اولیاء کرام کے پاک اجسام کی کس طرح حفاظت فرمائی جاتی ہے۔ (قرآن پاک) وَ تَرَی الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ کَہْفِہِمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَ اِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُہُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَ ہُمْ فِیْ فَجْوَۃٍ مِّنْہُ ؕ ذٰلِکَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ ؕ (ترجمہ) دیکھتا ہے۔ تو سورج کو کہ جب طلوع ہوتا ہے۔ تو اُن کی غار کی دائیں طرف سے ہوکر گزر جاتا ہے اور جب غروب ہوتا ہے۔ تو اُن کی بائیں طرف سے

اُن سے ہٹ کر غروب ہو جاتا ہے۔ حالانکہ وہ بیچ فراخی کے ہیں۔ اُس سے یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے سورج کو اپنے ولیوں کا احترام یوں سکھایا ہے۔ کہ باوجود اس کے اُن کی غار کھلے میدان میں ہے۔ تجھ کو یہ حکم ہے۔ کہ جب تو طلوع کرے۔ تو اُن کی غار کو چھوڑ کر دائیں طرف ہو جانا۔ اور غروب کے وقت بائیں طرف سے ہو کر غروب ہونا۔ دیکھنا تیری دھوپ اُن پر نہ پڑے۔ چنانچہ سورج اس ڈیوٹی پر عمل کر رہا ہے۔ سورج کے اس عمل اور اصحاب کہف کو اپنی قدرت کی نشانی فرمایا۔ جب سے ثابت ہوا۔ کہ ولیوں کی کرامتیں اور اُن کے وجود اللہ کی قدرت کے نشانات ہوتے ہیں۔ آگے ہماری اور اولیاء کی نیند کا فرق بتایا جا رہا ہے۔ دیکھو۔ ہم جب سو جاتے ہیں۔ تو آنکھیں بند ہو جاتی ہیں جس کروٹ لیٹیں۔ اُس کو جب تک بیدار ہو کر نہ بدلیں۔ نہیں بدلتیں۔ اور خدانہ کرے بیماری کی وجہ سے دو چار دن چارپائی کے بے غسل کئے پڑے رہیں۔ تو بدن اور کپڑے مَیل سے لت پت ہو جاتے ہیں۔ اور بدبو اُٹھنے لگتی ہے۔ مگر اُن حضرات کا حال بیان ہوتا ہے۔ (قرآن پاک) وَ تَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّ هُمْ رُقُوْدٌ وَّ نُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ ۖ (ترجمہ) اور گمان کرتا ہے۔ تو اُن کو جاگتے۔ حالانکہ وہ سو رہے ہیں۔ اور ہم اُن کی دائیں بائیں کروٹیں بدلتے ہیں۔ یعنی اگر کوئی تم میں سے انہیں دیکھ پائے۔ تو اُن کے خوشبودار۔ پُرانوار بدنوں اور صاف ستھرے کپڑوں اور آنکھوں کو کھلی ہوئی۔ دیکھ کر یہ سمجھے کہ وہ جاگ رہے ہیں حقیقت میں وہ سوئے ہوئے ہیں۔ ہاں یہ بات ضرور ہے۔ کہ وہ ہماری حفاظت میں آرام کر رہے ہیں۔ ہم خود اُن کی کروٹیں بدلتے ہیں اور باقی انتظام بھی فرماتے ہیں۔ یہاں بعض ناظرین کے ذہنوں میں ایک بات ضرور آئے گی۔ کیونکہ آج زمانہ ترقی کے دَور میں ہے۔

معمولی سے لکھے پڑھے بڑے بڑے اہم مسائل پر اعتراضات کر دیتے ہیں۔ ہاں تو وہ بات یہ ہے۔ کہ آج دنیا والوں کو زمین کے چپے چپے کی خبر ہے۔ نیز یہ بھی علم ہے کہ کتنی زمین آباد ہے۔ اور کتنی جنگلات میں گھری ہوئی ہے۔ اور کتنی پر پہاڑ ہیں۔ بلکہ دنیا تو چاند تک پہنچ کر سورج میں جانے کی تیاریوں میں مصروف ہے اور اوپر لکھے ہوئے واقعہ سے ثابت ہو رہا ہے۔ کہ وہ غار اسی زمین پر واقع ہے کسی پرانی سے پرانی تاریخ سے یہ پتا نہیں چلتا۔ کہ کسی سیر کرنے والے نے اس کو دیکھا ہو۔ اور نہ ہی اس زمانے کی سائنسی دنیا نے اس کے دیکھنے کا دعویٰ کیا ہے۔ تو اس کے متعلق پہلے کچھ روزمرہ کے مشاہدات عرض کرتا ہوں۔ ہوا کے بغیر ہمارا زندہ رہنا ناممکن ہے۔ مگر وہ نظر نہیں آتی۔ ہمارے دائیں بائیں شانے پر دو فرشتے جنہیں ہم دیکھ نہیں سکتے۔ اب دیکھو قرآنی جواب۔ (قرآن پاک)

لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ۝ (ترجمہ) اے سننے والے اگر تو اطلاع پائے۔ اوپر ان کے البتہ پھر جائے تو ان سے بھاگتا ہوا۔ اور البتہ بھر جائے تو ان کے رعب سے یعنی فرمانِ خداوندی ہے۔ کہ ہم نے ان کی غار کی یوں حفاظت فرمائی ہے۔ کہ اگر بالفرض کوئی ان تک پہنچ بھی جائے۔ تو ان اولیاء کا اتنا رعب ہے۔ کہ اس سے مرعوب ہو کر پیٹھ پھیرتا ہوا۔ بھاگ کھڑا ہو۔ شاید کوئی یہ بھی کہہ دے۔ کہ اگر ایسی بات ہے۔ تو پھر صحابہ رضؓ کیسے پہنچے۔ بھائی وہ پہنچنے والے علی رضؓ تھے۔ بھیجنے والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے حکم دینے والے ربّ جلیٰ تھے تفسیر و سیر کی کتابوں میں لکھا ہے۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی جہاد سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ کہ راستے میں وہ میدان پڑا جس میں وہ غار ہے۔ آپ رضؓ نے اس کی طرف جانے کا ارادہ فرمایا۔ تو ایک ساتھی نے آپ رضؓ کی توجہ اس آیت کی

طرف مبذول کرائی۔ کہ آپ کو یاد نہیں۔ اُس کے آس پاس ڈر اور وحشت رکھی گئی ہے۔ یہ سُن کر آپؓ نے اس خیال کو ترک کیا۔ مگر کچھ آدمیوں نے بے پرواہی برتتے ہوئے جانے کا قصد کیا۔ ہنوز غار کے قریب پہنچنے نہیں پائے تھے کہ ایسی گرم ہوا چلی جس نے سب کو جلا کر خاکستر کر دیا۔

پیارے دوستو۔ میں نے اپنی دانست کے مطابق اس واقعہ کو قلمبند کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(بقیہ ضمیمہ صفحہ ۱۷۱ سے آگے)

(شعر) آسمانی چن تارے

رات معراج دی نوں اوہدے قدماں نوں ربّ والے

دن محشر دے گرمی بھاری اے

ساڈے ماہیےؐ نے اوتھے کرنی یاری اے

حق شان قرآن دا اے

آسرا حافظ نوں عربی سلطانؐ دا اے

المختصر۔ آپؐ نے صدیق اکبرؓ کو فرمایا۔ تو نے بھی سچ کہا۔ غلاموں نے عرض کیا حضورؐ یہ کیا بات ہے۔ ابو جہل لعؔ آپؐ کی تکذیب کر رہا ہے۔ اور ابوبکرؓ آپؐ کی تصدیق کر رہے ہیں۔ آپؐ نے دونوں کو سچا کہہ دیا۔ میرے آقاؐ نے فرمایا۔ غلاموں! ابو جہل لعؔ میری تکذیب کر کے دربارِ خداوندی سے زندیق کا لقب لے رہا ہے۔ اور ابوبکرؓ میری تصدیق کر کے اللہ جل شانہٗ کے دربار سے صدیق کا لقب لے رہا ہے۔ میری شان تو یہ

(باقی صفحہ ۲۰۳ پر)

معراج شریف

نوٹ۔ یہاں تک تو نبیوں کا ذکر تھا۔ اب کچھ نبیؐ الانبیاء کا ذکر بھی ہو جائے۔ پہلے مقتدیوں کا بیان تھا۔ اب امام و مقتداء کا ذکر کروں جو باعثِ ایجادِ عالم فخر آدم و بنی آدم خلیفۃ اللہ الاعظم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں جن کی شان یہ ہے۔

آنکہ آمد نو فلک معراجِ اُو
انبیاء و اولیاء محتاجِ اُو

جب سے یہ اللہ کی زمین آباد ہوئی ہے۔ بحکمِ خُدا ساری مخلوق بمع انبیاء علیہم السلام ہمارے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف اور نعت بیان کرتی چلی آئی ہے۔ اور تاقیامت کرتی رہے گی۔

اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت فاضل بریلوی فرماتے ہیں:۔

رہے گا یُونہی اُن کا چرچا رہے گا
پڑے خاک ہو جائیں جَل جانے والے

مگر اس کے باوجود آپ علیہ السلام کی عظمت و شان اعزاز و اکرام فیوض و برکات و معجزات کا قلیل سا حصّہ بھی بیان نہیں کر سکے۔ بالآخر سب نے یہی کہا اور کہیں گے۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصّہ مختصر۔ صرف اپنی کتاب کو مکمل کرنے کے لئے اور فیوض و برکات مصطفوی

علیہ السلام کے حصول کے واسطے آپ کا واقعۂ معراج نقل کرتا ہوں۔ اس کو حقائق و معارف بے شمار نکات کے ساتھ بڑے بڑے محقق و مدقق علماً نے نقل فرمایا ہے۔ احقر بھی اُن حضرات کی تحریرات سے استفادہ کرتے ہوئے اختصار کے ساتھ نقل کرتا ہے۔ (وَمَا توفیقی اِلّاَ باللہ)

پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ معراج کے متعلق ہمارا اہلسنت کا عقیدہ کیا ہے۔ حضور پُرنور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو جاگتے ہوئے بجسم نفیس فرشتوں کے جلوس میں مکہ شریف سے مسجد اقصٰی پھر ساتوں آسمانوں کے اوپر جہاں تک اللہ تعالیٰ کو منظور تھا پہنچایا۔ آپؐ تمام خدائی بلکہ خدائے ذوالجلال کا دیدار پُرانوار کو دیکھ کر تھوڑی دیر میں واپس مکہ شریف میں تشریف لے آئے۔ یہ اعتراض کہ فضا میں کرّۂ آتش اور زمہریر وغیرہ ایسی رکاوٹیں ہیں۔ جن سے جسم انسانی کا گزرنا محال ہے۔ نیز بُراق اور اُس پر آپؐ کا سوار ہو کر اُوپر کو اُڑنا کہ جسم کثیف کا اُڑنا محال ہے۔ آج کی سائنس نے اس کے تسلی بخش جوابات فراہم کر دیئے ہیں۔ اب تھوڑی سی تفصیل میں چلتے ہیں۔ علماء نے معراج کی بہت سی حکمتیں لکھی ہیں۔ جن میں سے ایک یہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ دنیا میں کچھ ایسے ناسمجھ لوگ پیدا ہونگے جو ہمارے محبوب علیہ السلام کے علم۔ اختیار۔ شان و احترام پر اعتراض کریں گے۔ اور یہ کہیں گے۔ کہ جو بات حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ علیہ السلام کو بتاتے۔ وہ ہی آپؐ لوگوں کو سُنا دیتے۔ اس کے سوا آپؐ کچھ نہیں جانتے تھے۔ مرضیٔ الٰہی یہ ہوئی۔ کہ آپؐ کو ساری خدائی کا ذرّہ ذرّہ دکھلاتے ہوئے لامکاں پر بُلا کر بغیر وسائل کے وہ علوم اور تصرّفات عطا کئے جائیں جن کے متعلق ارشاد موجود ہے۔ کہ ہم نے اپنے محبوب علیہ السلام کو جو دینا تھا وہ

دے دیا۔ مخلوق میں سے کوئی اُس کا اِدراک نہیں کر سکتا۔ پھر معراج کے سفر کے دو حصے ہیں۔ ایک زمینی اور ایک آسمانی۔ زمینی حصہ کعبے سے اقصیٰ تک۔ اِس کو قرآن شریف نے بیان کیا ہے۔ باقی دوسرے حصے کو احادیثِ مصطفےٰ علیہ السلام نے قرآن شریف پارہ ستائیس ۲۷ سورۂ نجم میں بھی اُس کے اشارات ملتے ہیں۔ (قرآن پاک) سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝ (ترجمہ) پاک ہے وہ اللہ جو لے گیا اپنے خاص بندے کو رات کے تھوڑے سے حصے میں مسجد حرام یعنی کعبے شریف سے مسجد اقصیٰ تک۔ یہ وہ مسجد ہے جس کے ماحول میں ہم نے بہت برکتیں رکھی ہیں۔ اور یہ سفر اس لئے ہُوا۔ تاکہ دکھائیں ہم اُس اپنے بندۂ خاص کو اپنی قدرت کے نشانات سے۔ بے شک وہ سب کی سُنتا اور سب کو دیکھتا ہے۔ ثابت ہُوا۔ کہ لے جانے والا ربّ العالمین۔ جانے والا رحمۃ للعٰلمین ؐ۔ پیام لانے والا رُوحُ الامین۔ پھر جو اس پر کسی قسم کا اعتراض کرے۔ حقدار اَسْفَلُ السّٰفِلِیْن۔ مشہور روایات کے مطابق رجب شریف کی ستائیسویں ۲۷ تاریخ ہے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم دن بھر تبلیغ فرماتے ہیں۔ مگر ایک شخص بھی اُس دن مسلمان نہیں ہُوا۔ آپ از حد غمگین ہیں۔ کعبے شریف میں تشریف لائے۔ اور عشاء تک مشغولِ عبادت رہے۔ ما بعد بیت اللہ کے قریب ہی حضرت مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حقیقی بہن حضرت اُم ہانی کا گھر تھا۔ اُس میں آکر اپنی

چچازاد بہن سے فرمایا۔ کہ آج میں تمہارے گھر آرام کروں گا۔ اندازہ کرو۔ کہ جس کے پاک قدموں کی گرد کو حورانِ بہشتی تڑپتی ہیں اور ہزاروں عاشقان عرض کرتے ہیں۔ (شعر)

ہم بھی ہوتے خاکِ گلشن لپٹ کے قدموں سے لیتے اُترن
مگر کریں کیا نصیب ہیں تو یہ نامرادی کے دن لکھے تھے

وہ خود فرما رہے ہیں۔ کہ اے اُم ہانی آج ہم تیرے مہمان ہیں۔ اُس وقت جو خوشی اُن کو حاصل ہوئی ہوگی۔ الفاظ میں تو اُس کا بیان ناممکن ہے۔ البتہ وہ خود ہی اُسے بیان کرسکتی ہیں۔ بصد ادب و احترام عرض کی۔ مرحبا اَھْلاً وَ سَھْلاً بِسْمِ اللّٰہ آرام فرمائیے گا۔ چنانچہ آپ علیہ السلام آرام فرما ہوئے۔ اب حضرت اُم ہانی نے سوچا۔ کہ جن کے گھروں میں سونا چاندی وغیرہ اموال ہوتے ہیں۔ وہ رات بھر جاگ کر اُن کا پہرہ دیتے ہیں۔ میرے گھر میں تو ساری خدائی کا آقا اور ساری دُنیا کا داتا۔ بے زروں کو ابوذر بنانے والا۔ فقیروں کو قیصر وکسریٰ کا فاتح بنانے والا۔ موجود ہے۔ مجھے کس قدر سختی کے ساتھ پہرہ دینا چاہیئے۔ یہ سوچ کر انہوں نے کمر میں پٹکا باندھا۔ اور ہاتھ میں تلوار لے کر یہ کہتی ہوئیں آپؐ کے ارد گرد گھومنے لگیں۔

(پنجابی شعر) بلندی تے میرا نصیب آگیا ہے ✤ ایہہ موقع عجیب و غریب آگیا ہے
میری شان ویکھو اے دُنیا دے لوکو ✤ میرے گھر خدا دا حبیب آگیا ہے
جندھی دید نوں ترسے ساری خدائی ✤ اُوہ دیون نمانی نوں دیدا گیا ہے
میں لاواں پئی اُدہس دے گرد چکر ✤ ایہہ ویلا میرے وچ نصیب آگیا ہے
کرو مہربانی اس حافظ تے آقا ✤ ایدھی لب تے ذکرِ حبیبؐ آگیا ہے

الغرض یعنیں پڑھتی صلوٰۃ وسلام کے نغمے گاتی آپؐ کا طواف کر رہی ہے۔ آدھی رات

سے زیادہ گزر چکی ہے۔ جبریلؑ کو حکمِ الٰہی پہنچا۔ کہ تمام ملائکہ سے کہہ دو کہ سب ڈیوٹیاں ٹھپ کر دیں۔ جبریلؑ نے عرض کی۔ کہ یا اللہ کیا قیامت برپا ہونے کو ہے۔ حکم ہوا۔ نہیں۔ آج ہم اپنے محبوبؐ کو اُن کی آسمانی حکومت کا دَورہ فرمانے کی دعوت دے رہے ہیں۔ تو زمین کی طرف دیکھ۔ کہ اُس میں کیا ہو رہا ہے۔ جبریلؑ نے دیکھ کر عرض کی۔ کہ مولا تمام دنیا سو رہی ہے۔ صرف ایک تیری بندی ایسی ہے۔ جو تیرے محبوب علیہ السلام کی پہرے دار جاگ کر پہرہ دے رہی ہے۔ حکم ہوا۔ ایسی خوشگوار۔ خوشبودار۔ نسیم بہار تھوڑی سی چھوڑ کر اُسے بھی سُلا دو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور مائی صاحبہ کو بھی نیند آگئی۔ جبریل کو حکم ہوا۔ اب تم ایسا کرو۔ کہ ایک جلوس ملائکہ کا ترتیب دو۔ جن کے ہاتھوں میں ایسے بینر ہوں۔ جن پر جشنِ معراج اور آپؐ کی شانِ رفیعہ کو ظاہر کرنے والے الفاظ مرقوم ہوں۔ اور جنّت سے اعلیٰ قسم کا مُشک وعنبر بھی ساتھ لیں۔ اور ایک تیز رفتار بُراق بھی جنّت سے لاؤ۔ ایک طشت علم وحکمت فیوض وبرکات انوار وتجلّیات سے بھرا ہوا۔ خود اپنے سر پر اُٹھاؤ۔ الغرض پُوری شان وشوکت اور ساز وسامان کے ساتھ جلوس کو اُس کی قیادت فرماتے ہوئے۔ سیدھے اُس گھر کے پاس لے جاؤ۔ جس میں میرا محبوب علیہ السلام آرام فرما ہے جس جلوس کا جبریلؑ کرے انتظام بحکمِ رحمان یا جنّتی ساز و سامان جلوس میں ہوں۔ ملائکہ کرام پھر کیا ہو گی اُس کی شان۔ چنانچہ جناب جبریلؑ کی قیادت میں جلوس مائی اُمّ ہانیؓ کے گھر پہنچ گیا۔ سب باہر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور صلوٰۃ وسلام کے نغمے گنگناتے ہیں۔ صرف جبریلؑ اندر داخل ہوتے ہیں۔ وہ بھی دروازہ کھٹکھٹا کر اُسے کھلوا کر نہیں بلکہ مکان کی چھت سے داخل ہوتے ہیں۔ حدیث شریف میں وارد ہے۔ (فُرِجَ سَقْفُ بَيْتِيْ) میرے گھر کی چھت پھاڑی گئی۔ یہاں پر یہ بھی ذہن نشین کر لو۔ کہ جبریل علیہ السلام نے چھت پھاڑی۔ لیکن نہ مٹی گری۔

نہ کوئی بالا وغیرہ توڑا۔ اور نہ سوراخ ہی ہوا۔ کیونکہ ملائکہ کی یہ شان ہے۔ کہ ایک ایسا
بُرج بنایا جائے۔ جس میں نہ کوئی سوراخ ہو۔ اور نہ کوئی در۔ اُس میں ہو۔ کوئی آدمی
تو جب اُس کی موت کا وقت آئے گا۔ تو فرشتے اُس بُرج میں داخل ہو کر اُس آدمی
کی جان قبض کریں گے۔ پھر اُسے لے کر چلے جائیں گے۔ مگر دُنیا میں کوئی آنکھ اُس
میں کوئی سوراخ نہیں دیکھ سکے گی۔ پھر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کس طرح دیکھ لیا۔ کہ
چھت پھاڑی گئی ہے۔ یہی تو ہم کہتے ہیں۔ جو چیزیں دُنیا کی آنکھوں سے اوجھل ہیں۔
نگاہِ مصطفےٰ علیہ السلام کے سامنے بالکل عیاں ہے۔ الغرض جبریلؑ نے دیکھا۔ کہ
محبوب کریم علیہ السلام محوِ خواب ہیں۔ بالکل خاموشی کے ساتھ دم گھُٹ کر آپؐ کے
مبارک قدموں کی طرف ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ آج کل کے حاکموں کے احکام
لانے والوں کی شوخیٔ مزاج دیکھو۔ اُدھر حکم دینے والا۔ اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْن۔
لانے والا رُوْحُ الْاَمِیْن۔ مگر بارگاہ بھی تو ہے۔ سَیِّدُ الْمُرْسَلِیْن
علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔ کچھ دیر یُونہی گزری تو حکمِ ربّانی ہوا۔ جبریلؑ اپنا کام
کیوں نہیں کرتے۔ عرض کی۔ مولا اُدھر تیرا فرمان ہے۔ اِدھر آقائے دو جہان
ہے۔ جبریلؑ کھڑا حیران ہے۔ کہ اب کیا کروں۔ فرمان ذیشان ہوا۔ کہ دیکھ
ہم نے تیرا سارا جسم نُور سے پیدا کیا ہے۔ مگر تیرے لب ہیں کافور کے ان سے
چُوم لے پاؤں حضورؐ کے۔ چنانچہ جبریلؑ نے تعمیل حکم کی۔ اُس کے کافوری لبوں
کی ٹھنڈک جب آپؐ کے مبارک تلوؤں کو لگی۔ تو آپؐ نے مبارک آنکھیں کھول
کر ملاحظہ فرمایا۔ کہ آپؐ کا قدیمی غلام دست بستہ کھڑا ہے۔ جبریلؑ نے سلام کے بعد
عرض کیا۔ حضورؐ معاف فرمائیے گا۔ آرام میں مُخل ہوا ہوں۔ حکم پروردگار ہے۔ کہ آپؐ
آسمانوں کی سیر فرماتے ہوئے لامکاں پر تشریف لائیں۔ کچھ ضروری باتیں کرنی
ہیں۔ میرے ساتھ جلوسِ قُدسیاں بھی ہے۔ (بِسْمِ اللہ) اُٹھئیے اور جلوس

کو زیارت سے مشرف فرمایئے۔ اور اُن کی سلامی لیجئے۔ محبوب علیہ السلام کے ناز و
اداء کو دیکھو۔ فرماتے ہیں۔ ہم اُٹھے اور کعبے میں آ کر پھر لیٹ گئے۔ جبریل علیہ السلام
نے بڑے ادب سے عرض کی کہ حضورؐ والا شان رات ختم ہونے کو ہے۔ اور آپؐ کا
دورۂ آسمانی رات میں ہی مقرر کیا گیا ہے۔ اُدھر حور و غلمان جنّت کا رضوان کُرسیؔ
عرش آپؐ کے دیدار کے لئے بیتاب ہیں۔ کرم فرمایئے اور تشریف لے جایئے۔ یہ سُن
کر آپؐ کھڑے ہوتے ہیں۔ کوثر تسنیم سے پانی لایا گیا جس سے آپؐ نے غسل فرمایا۔
آپؐ کے غسل کئے ہوئے پانی کے متعلق فرشتوں کو یہ حکم ہُوا۔ کہ اس میں سے کچھ پانی تو
عزرائیلؑ لے لیں۔ کہ جب کوئی عورت مرد عاشق مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلم اس دُنیا
سے جانے لگے۔ تو ایک قطرہ اُس کے منہ میں ڈال دیا کریں۔ باقیماندہ پانی سے
جنّت کا رنگ و روغن بنے گا۔ غسل سے فارغ ہو کر وہ لباس نُوری جو جنّت
سے آیا تھا۔ زیب تن فرمایا۔ پھر آپؐ کا سینہ مبارک کھول کر وہ طشت جسے خود
جبریلؑ اُٹھا کر لایا تھا۔ وہ سارا اُس میں اُنڈیل دیا۔ اللہ کی قدرت سے آپؐ
کو کوئی تکلیف محسوس نہ ہوئی۔ حاصل مطلب۔ ملائکہ کے جھُرمٹ میں کعبے سے
باہر تشریف لائے۔ تو دیکھا۔ کہ ایک جانور گدھے سے بڑا گھوڑے سے چھوٹا مثل
خچر کی موجود ہے۔ جس کے چہرے سے خوشی کے نشان دکھائی دے رہے ہیں۔ اُس
کا نام بُراق ہے۔ عرض کیا گیا۔ کہ حضورؐ اس پر سواری فرمائیں۔ جب آپؐ
نے سوار ہونے کا ارادہ فرمایا۔ تو وہ شوخی کرنے لگا۔ یہ شوخی اُس کی کیف و سرور کی شوخی
تھی۔ دیکھو جبریلؑ نے اُسے ڈانٹا کہ تجھے شرم نہیں آتی۔ ساری خُدائی سے بے نظیر و بیمثال
رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم تجھ پر سواری فرما رہے ہیں۔ اور تُو نے ناچنا کُودنا شروع
کر دیا ہے۔ یہ سُن کر وہ پسینہ پسینہ ہو گیا۔ اور اپنی بولی میں عرض کی۔ کہ اے
حضرت اسی لئے تو میں ناچ رہا ہوں۔ کہ آج خُدا کی ساری مخلوق میں میرا

مقابل کوئی نہیں۔ نیز باب کرم کھلا ہے۔ شہنشاہِ کونینؐ کا دورہ ہے۔ یہاں کس چیز کا توڑا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ جس طرح آج مجھ پر کرم ہوا ہے۔ کل بروزِ قیامت بھی سرکارِ دو عالمؐ مجھ غریب کو ہی اپنی سواری کے لئے سرفراز فرمائیں۔ چنانچہ درخواست اُس کی قبول ہوئی۔ اور آپؐ اس پر سوار ہوئے۔ پھر آپؐ کی مبارک آنکھوں میں آنسو آگئے۔ جبرئیلؑ نے عرض کی۔ آج جس شان و شوکت جاہ و جلال خصوصی انتظامات کے ساتھ آپؐ کو عرشِ بریں پر بُلایا جارہا ہے۔ یہ سامان تو کسی نبی علیہ السلام کو بھی میسّر نہیں آیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ جبرئیلؑ اسی لئے تو مجھے رونا آگیا ہے۔ کہ میری یہ شان اور میری گنہگار سیاہ کار اُمت کا خدا جانے کیا حال ہوگا۔ حکم پروردگار ہُوا۔ کہ جبریل محبوب علیہ السلام سے کہہ دو۔ غم نہ کریں۔ جلد تشریف لائیں۔ ہو سکتا ہے۔ کہ آپؐ کی اُمت کی بخشش کے لئے ہی لامکاں پر یہ ملاقات منعقد ہو رہی ہے۔ یہ خوشخبری سُن کر آپؐ خوش ہوئے۔ جبرئیلؑ نے لگام تھامی۔ میکائیل و اسرافیل نے رکابیں پکڑیں۔ اب سفر شروع ہوتا ہے۔ اُس بُراق یعنی بجلی سے بہت تیز چلنے والا کی رفتار کا یہ عالم تھا۔ کہ جہاں تک اُس کی نظر جاتی تھی۔ وہاں اُس کا قدم پڑتا تھا۔ اِس کو کسی بزرگ نے یوں بیان کیا ہے۔

(شعر) تھا بُراقِ نبیؐ یا کہ نورِ نظر
یہ گیا وہ گیا اور نہاں ہوگیا

راستے میں ایک کھجوروں کا باغ آیا۔ جبرئیلؑ نے عرض کیا۔ یہ آپؐ کی ہجرت اور آخری آرامگاہ کی جگہ ہے۔ یعنی مدینہ طیّبہ ہے۔ آپؐ وہاں اُترے اور دو نفل پڑھے۔ پھر سوار ہوئے۔ آگے ایک جگہ پر پہنچے۔ تو جبرئیلؑ نے عرض کی۔ کہ یہ بیتُ اللحم ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش۔ آپؐ نے وہاں بھی دوگانہ

ادا کیا۔ پھر آگے کو رواں دواں ہوئے۔ راستے میں ایک بکھرے ہوئے بالوں والی بوڑھی عورت جس کی شکل نہایت ڈراؤنی تھی۔ آپؐ کو پکارنے لگی۔ مگر آپؐ نے اُس کی طرف توجہ نہ فرمائی۔ آگے چل کر حضرت جبریلؑ نے عرض کیا۔ حضورؐ یہ آپؐ کو پکارنے والی چڑیل دُنیا تھی۔ اس کی عمر بالکل تھوڑی باقی ہے۔ اگر آپؐ اس کی پکار کا جواب دیتے۔ تو ساری اُمت آپؐ کے دین کو چھوڑ کر اس کی طرف مائل ہو جاتی۔ اسی طرح ایک بوڑھے مرد نے آپؐ کو آواز دی جس کی آپؐ نے کوئی پرواہ نہ کی۔ جبریلؑ نے عرض کیا۔ کہ حضرت یہ پکارنے والا شیطان ملعون تھا۔ آپؐ نے بہت اچھا کیا۔ کہ اس کی پکار کو خاطر میں نہیں لائے۔ اسی طرح آپؐ بہت سے انبیاء علیہم السّلام کے متبرک مقامات سے ہوتے ہوئے اور ہر مقام پر دوگانہ ادا فرماتے ہوئے مُبارک قبر موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزر فرمایا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ جب ہم موسیٰ علیہ السلام کی مزار شریف کے پاس سے گزرے۔ تو دیکھا (وَ هُوَ قَائِمٌ يُّصَلِّي) کہ وہ کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ ایک اور حدیث شریف ہے جس کو شیخ عبدالحق مُحدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب جزبُ القلوب میں تحریر فرمایا ہے۔ کہ انبیاء اللہ سب زندہ ہیں۔ اور اپنی اپنی قبروں میں (يُصَلُّوْنَ) نمازیں پڑھتے ہیں جس کی تصدیق آگے آ رہی ہے۔ ان دو روایات سے حیاتِ انبیاء ثابت ہو رہی ہے۔ اگر کوئی کہے۔ کہ یہ عجیب بات ہے۔ فوت ہوئے۔ کفن دفن وغیرہ ہوا۔ پھر زندہ بھی ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں۔ سب سمجھ سے باہر ہے۔ تو جواب اس کا یہ ہے۔ کہ یہی تو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ کہ ہیں وہ زندہ لیکن (لَا تَشْعُرُوْنَ)

تم نہیں سمجھ سکتے۔ ہماری بھلائی تو اسی میں ہے۔ کہ قرآن وحدیث کے سامنے اپنی
عقل کو قربان کرتے ہوئے۔ انبیاء و اولیاء علیہم السلام کو زندہ سمجھیں اور زندہ کہیں
الغرض اسی سفر میں آپؐ نے دوزخ کو دیکھا۔ اور جو آگے چل کر دوزخ میں
اپنے گناہوں کی سزا پانے والے تھے۔ اُن کو انسانی اشکال میں عذاب میں گرفتار
دیکھا۔ بالخصوص سُود خور۔ زنا کار۔ بے نماز۔ قرآن کو پڑھ کر بھولنے والے۔
غیر محرموں سے پردہ نہ کرنے والی عورتیں۔ غیبت و چغلی کرنے والے وغیرہ وغیرہ۔
اما بعد مسجد اقصیٰ شریف کے پاس پہنچے۔ بُراق سے اُتر کر اُس کو اس پتھر سے باندھا۔
جس سے انبیاء علیہم السلام اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے۔ اُسے اِس لئے
نہیں باندھا۔ کہ کہیں بھاگ نہ جائے۔ بلکہ یہ مسئلہ سمجھانا مقصود تھا۔ کہ اپنی
کوشش بھی کرو۔ اور خُدا پر بھروسہ بھی رکھو۔ یہ بھی سمجھ لو۔ کہ جو قرآن شریف
میں آیا۔ کہ مسجد اقصیٰ کے آس پاس ہم نے بہت سی برکات رکھی ہیں۔ تو وہ
دو۲ قسم کی ہیں۔ ایک ظاہری جیسے بہت باغات۔ پھلوں کی کثرت۔ پانی وافر۔ فضا
پُرسکون۔ اور باطنی برکات انبیاء و اولیاء کے مزارات پُرانوار ہیں۔ الغرض
آپ علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کہ ہم مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے۔ تو دیکھا کہ انبیاءؑ
کرام از آدم تا عیسےٰ علیہم السلام تشریف لائے ہوئے ہیں۔ اور ایک ایک
دو۲ دو۲ کر کے سب نمازیں پڑھ رہے ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی
یَا رَسُوْلُ اللّٰہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کیا آپ نے اپنے رب سے دُعا
کی تھی۔ کہ وہ آپؐ کو حُورانِ بہشتی دکھائے۔ فرمایا ہاں۔ اُس نے کہا وہ دیکھو
مسجد کے کونے میں بیٹھی ہوئی ہیں۔ آپؐ اُن کی طرف متوجہ ہوئے۔ تو وہ سب
تعظیماً کھڑی ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھنے لگیں۔ پھر صفیں درست ہوئیں۔
جماعت کی تیاری ہے صفوں میں حضرت آدم علیہ السلام بھی ہیں۔ جن کو

ابتدا سے انتہا تک تمام چیزوں کا علم دیا گیا۔ اور جناب موسیٰ کلیم اللہ بھی ہیں۔
جن کو ایسی کتاب دی گئی۔ جس میں ہر چیز کا تفصیلی بیان ہے۔ عزیزو۔ ذرا
سوچو کہ جس جماعت میں اتنے بڑے صاحب علم موجود ہوں۔ اُن کا امام
بات بات پر بھول جانے والا۔ دیوار کے پیچھے کا علم نہ رکھنے والا۔ اور
اپنے انجام سے بے خبر ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ اُن حضرات کا امام تو
ایسی شان کا ہی ہو سکتا ہے۔ جس کا علم اُن تمام حضرات سے درجوں
زیادہ ہو۔ اور درجات میں قُربِ خُدا میں سب سے آگے ہو۔ تو اس شان
کے مالک۔ محبوبِ خالق جناب مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ صلّی اللہ
علیہ وسلّم ہی ہیں۔ لہٰذا حضرتِ جبریل علیہ السلام نے آپ کا مبارک ہاتھ
پکڑا۔ اور عرض کیا۔ (تَقَدَّمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ) آگے بڑھیئے۔ (وَ
صَلِّ بِالْاَنْبِیَاءِ) انبیاء کی امامت فرمایئے۔ چنانچہ آپ نے دو رکعت
نفل نماز پڑھائی۔ اما بعد ایک جلسہ ہوا۔ جس کی صدارت حضرت ابراہیم
علیہ السلام نے فرمائی۔ تمام حضرات نے تقاریر فرمائیں۔ آپ علیہ السلام نے
بھی تقریر فرمائی۔ اور اُس میں ایک خاص بات یہ تھی۔ کہ آپ نے اپنی اُمت کا
ذکر بھی کیا۔ اس پر صدرِ جلسہ علیہ السلام نے باقی انبیاء علیہم السلام کو مخاطب
کر کے فرمایا۔ کہ دیکھو۔ اُنہیں اپنی اُمت سے کتنا پیار ہے۔ بوجہ اختصار انبیاء
علیہم السلام کی تقاریر کو نہیں لکھا۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں پھر
ہمیں پیاس محسوس ہوئی۔ ایک دُودھ کا پیالہ لایا گیا۔ جسے ہم نے نوش کیا۔
مسجدِ اقصیٰ میں آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے داخل ہونے سے یہاں تک
جو حال لکھا گیا ہے۔ اُس سے چند باتیں ثابت ہوتی ہیں :۔
نمبر ۱۔ حُورانِ بہشتی جنّت چھوڑ کر آپ کے استقبال کے لئے حاضر ہوئیں۔

نمبر۲۔ وہ انبیاء علیہم السلام جن کو فوت ہوئے ہزاروں بلکہ لاکھوں سال گزر چکے تھے۔ وہ آپؐ کا استقبال کرنے اور زیارت پانے آپؐ کی اقتداء میں نماز پڑھنے اور جشنِ معراج میں تقریریں فرمانے کے لئے، باذنِ اللہ اپنی اپنی قبروں سے نکل کر مسجدِ اقصیٰ میں تشریف لائے۔

نمبر۳۔ آج قریباً سُنیوں کی ہر مسجد میں جشن معراج منایا جاتا ہے۔ مساجد کو سجایا جاتا ہے۔ اور چراغاں کیا جاتا ہے۔ اس کی اصل وہی مسجد اقصیٰ شریف والا جلسہ ہے۔

نمبر۴۔ حدیثِ معراج سے اقصیٰ میں انبیاء کا آنا مذکور ہے۔ ارواحِ انبیاء کا ذکر نہیں۔ تو ثابت ہوا۔ کہ وہ حضرات علیہم السلام اپنے رب کی مرضی سے جہاں چاہیں۔ جب چاہیں۔ تشریف لے جا سکتے ہیں۔ یار لوگوں کو میں اور تو کچھ نہیں کہتا۔ صرف یہی گزارش کروں گا۔ کہ ضد اور تعصب اور مولویانہ کھینچ تان کو بالائے طاق رکھ کر اس واقعہ کو پڑھو۔ الغرض جلسہ اختتام پذیر ہوا۔ آپ علیہ السلام سب کو مل کر اُن سے رخصت ہوئے۔ وہ تمام حضرات اپنے اپنے مقامات پر پہنچ گئے۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک سفر کا دوسرا حصہ شروع ہوتا ہے۔ یعنی سیر آسمانی کا آغاز۔ آپ علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ہم براق پر سوار ہوئے تو ایک نہایت خوبصورت قدرتی سیڑھی نمودار ہوئی۔ جس کے ذریعے ہم آسمان کی طرف چلے۔ فوراً پہلے آسمان کا دروازہ آیا۔ جبریل علیہ السلام نے دستک دی۔ اندر سے آواز آئی۔ کون صاحب ہے۔ فرمایا۔ میں جبریلؑ ہوں۔ پھر پُوچھا گیا۔ آپ کے ساتھ کون ہے۔ فرمایا۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلّم۔ پھر سوال ہؤا۔ کیا آپؐ کو آسمانوں پر بُلایا گیا ہے۔
جبریلؑ نے فرمایا۔ ہاں۔ پھر دروازہ کھولا۔ ہم اندر داخل ہوئے۔
عجائباتِ قدرت دیکھے۔ فرشتوں کی سلامی لی۔ ایک بزرگ باوجاہت
لمبے قد والے کرسی پر تشریف فرما دیکھے۔ جبریلؑ نے عرض کیا۔ میرے
آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم یہ آپؐ کے والد حضرت آدم علیہ السلام
ہیں۔ انہیں سلام کیجیئے گا۔ میںؐ نے اُن کو سلام کیا۔ انھوں نے
جواب سلام دے کر فرمایا۔ مرحبا نبی نیک آیا۔ بیٹا نیک آیا۔ اور
یہ بھی دیکھا۔ کہ آپ دائیں طرف دیکھتے ہیں۔ تو ہنستے ہیں۔ اور
بائیں طرف دیکھ کر رو دیتے ہیں۔ جبریل علیہ السلام سے دریافت کیا
تو اُس نے کہا۔ حضور (صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) جب یہ دائیں طرف نظر
کرتے ہیں۔ تو شروع سے آخر تک جنّتی اُن کی اولاد جنّت میں جانے والی ہے
اُن کو مثالی شکلوں میں جنّت میں دیکھتے ہیں۔ تو خوش ہوتے ہیں۔
اور جب بائیں طرف نظر کرتے ہیں۔ تو ساری کافر اولاد کو دوزخ
میں دیکھ کر رو پڑتے ہیں۔ یہاں سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ اولاً
ایک ہی نظر میں ابتدا سے انتہا تک سارے دوزخیوں اور جنتیوں
کا ملاحظہ فرمانا۔ یہ علم تو حضرت آدم علیہ السلام کا ہے۔ اور پھر
فوت بھی ہو چکے ہیں۔ اگر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان کے
مطابق جو بہت سی احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔ ہم یہ عقیدہ رکھیں۔
کہ آپؐ جو لوگ، قیامت تک ایمان لانے والے ہیں۔ اور جو کافر رہینگے۔
بلکہ مخلوقِ خدا ساری کو اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے۔
اُس کو اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کی طرح دیکھ رہے ہیں۔ تو اس میں کونسا

شرک ہے۔ دوسری بات یہ ثابت ہوئی۔ کہ آپؐ کو دنیا سے انتقال فرمائے لاکھوں سال ہو چکے ہیں۔ مگر نیک اولاد کو دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں۔ اور گنہگاروں۔ بدکاروں پر رو رہے ہیں۔ جس سے اُن کی بعد از وفات اپنی اولاد پر شفقت ثابت ہو رہی ہے۔ جو لوگ انبیاء و اولیاء کو بے اختیار۔ کسی کو کچھ فائدہ نہ دینے والے۔ مر کر مٹی میں مل جانے والے وغیرہ وغیرہ الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ اُنہیں اس حدیث پر غور کرنا چاہیئے۔ ارشاد فرمایا۔ پھر ہم دوسرے آسمان کی طرف چلے ہی تھے۔ کہ اُس کا دروازہ آ گیا۔ وہ بھی بند تھا۔ جبریل علیہ السلام نے اُسے کھٹکھٹایا۔ پہرے دار نے اندر سے آواز دی۔ جناب کون ہیں۔ فرمایا جبریلؑ۔ عرض کیا ساتھ کون۔ فرمایا نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم۔ پھر اُس نے پوچھا۔ کیا آپؐ کو آسمانوں پر آنے کی دعوت دی گئی ہے۔ فرمایا ہاں۔ دروازہ کھولا گیا۔ ہم اندر داخل ہوئے۔ نشاناتِ قدرت دیکھے۔ ملائکہ کے درجات کو ملاحظہ فرمایا۔ حضرت عیسیٰ و یحییٰ علیہم السلام سے ملاقات۔ ہم نے اُن کو سلام کیا۔ دونوں حضرات نے جواب سلام دے کر کہا۔ مرحبا نبی نیک آیا۔ بھائی نیک آیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر تیسرے آسمان کی طرف چلے۔ تو اُس کا دروازہ آ گیا۔ اُس کے پہرے دار نے بھی وہی سوالات کئے۔ جن کے جبریل علیہ السلام نے پہلے کی طرح جوابات دیئے۔ پھر دروازہ کھلا۔ ہم اندر داخل ہوئے۔ ملائکہ کے درجات کو دیکھا۔ اور حُسن کے بادشاہ حضرت یوسف ماہِ کنعانی علیہ السلام سے بھی ملاقات ہوئی۔ ہم نے سلام کیا۔ انہوں نے جواب سلام دیا۔ اور پھر کہا۔ مرحبا نبی نیک آیا۔ بھائی نیک آیا۔ پھر آسمانِ چہارم کی طرف چلے۔ تو اس کا دروازہ بھی پہلے کی طرح سوالات و

جوابات کی طرح کھُلا۔ اندر داخل ہو کر وہاں کے عجائبات قدرت کو دیکھا۔ اور
فرشتوں کے مقامات کو ملاحظہ فرمایا۔ وہاں پر حضرت ادریس علیہ السلام کو دیکھا۔
اور سلام کہا۔ انہوں نے جواب سلام دیا۔ اور کہا مرحبا نبی صالح۔ اَخی صالح۔
فارغ ہو کر پانچویں آسمان کا قصد کیا۔ تو معاً اُس کا دروازہ آگیا۔ اُسی طرح
کے سوالات و جوابات کے بعد اُس کو کھولا گیا۔ ہم اندر داخل ہوئے۔ خُدا کی
قدرتوں کا مشاہدہ کیا۔ وہاں پر حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔
سلام اور جواب سلام ہوُا۔ اور انہوں نے بھی مرحبا کہا۔ پھر چھٹے آسمان کی طرف
چلے ہی تھے۔ کہ اُس کا دروازہ آگیا۔ وہ بھی جبریل علیہ السلام نے پہلے کی طرح کہہ۔
سُن کر کھلوایا۔ ہم اندر داخل ہو گئے۔ عجائباتِ قدرت جو وہاں تھے اُنہیں دیکھا۔
اور ایک آواز سُنی۔ کہ کوئی بلند آواز سے اللہ تعالیٰ کے دربار میں بات کر رہا ہے۔
آپؐ نے پُوچھا۔ جبریل یہ کون ہے۔ عرض کیا میرے آقا یہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ
والسلام ہیں۔ فرمایا۔ اللہ جل شانہٗ کا دربار اور اتنی اُونچی گفتگو۔
جبریلؑ نے عرض کیا۔ حضور اُن کا رَبّ خوب جانتا ہے۔ کہ اُن کی طبیعت
میں تیزی ہے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس تشریف لے گئے۔ اُن کو السلام
علیکم کہا۔ انہوں نے جواب سلام دیا۔ اور فرمایا۔ مرحبا نبی نیک آیا۔
بھائی نیک آیا۔ پھر جب فارغ ہو کر چلنے لگے۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام رو
پڑے۔ اور فرمایا۔ کہ ہم نے کئی سو سال تک تبلیغ کی۔ مگر چند لوگ مسلمان ہوئے۔
یہ ہاشمی عربی نوجوان نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بعد تشریف لائے۔ اور صرف
تھوڑی سی عمر کی تبلیغ سے یہ اپنی اتنی اُمت مسلمان کریں گے۔ کہ بروز قیامت
جنّت میں اُن کی اُمت دو تہائی اور باقی سب انبیاء علیہم السلام کی اُمتیں
ایک تہائی ہونگی۔ موسیٰ علیہ السلام کے اس فرمان سے بھی انبیاء کا بعد

از وفات مخلوقِ خدا کا خیر خواہ ہونا۔ ثابت ہوتا ہے۔ بعدہٗ ساتویں آسمان کی طرف متوجہ ہوئے۔ تو اُس کا دروازہ آگیا۔ اُسے بھی جبریل علیہ السلام نے حسبِ دستور سابقہ کھلوایا۔ آپؐ اندر داخل ہوئے۔ وہاں کے تحیر ات نشانات کو دیکھا۔ اُسی آسمان میں ایک عبادت خانہ ہے جس کا نام بیت المعمور ہے۔ اس میں ملائکہ عبادت کرتے ہیں۔ ایک عظیم المرتبت بزرگ کو کہ اُس عبادت خانہ سے تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔ اور اُن کے آگے بہت سے چھوٹے چھوٹے لڑکے اور لڑکیاں موجود ہیں۔ جنہیں وُہ کھلا بہلا رہے ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا۔ حضور یہ جدِّ انبیاء۔ خلیلِ خُدا ذبیحؑ کے ابّا آپؐ کے بھی ابّا ابراہیم السلام ہیں۔ اور یہ لڑکے لڑکیاں جو آپؐ دیکھ رہے ہیں مسلمانوں میں سے جس کا چھوٹا لڑکا۔ لڑکی فوت ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کے حکم سے ان کی گود میں پہنچ جاتا ہے۔ یہ سارے بالک مسلمانوں کے فوت شدہ بچے ہیں۔ جنہیں یہ اُن کے باپوں اور ماؤں کی ملاقات تک بہلاتے رہینگے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم فرماتے ہیں۔ کہ میں اُن کے پاس گیا۔ اور السلام علیکم کہا۔ انہوں نے جواب سلام دے کر کہا۔ مرحبا بنی نیک آیا۔ بیٹا نیک آیا۔ باہمی محبّت و پیار کی گفتگو ہوئی۔ خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ جب آپ علیہ السلام سیر سے فارغ ہو کر تشریف لے جائیں۔ تو اپنی اُمت کو میرا سلام پہنچا دینا سبحان اللہ یہ گنہگار اُمت اور ابراہیم علیہ السلام کا سلام یہ صدقہ ہے۔ میرے اور تمہارے آقا صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کا سیر آسمانی کے شروع سے یہاں تک پڑھنے کے بعد کچھ اعتراضات ذہن میں آتے ہیں جن

کا دُور کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ پھر سفر کا بقیہ حصہ تحریر کروں گا۔

اعتراض نمبر ۱۔ مسجد اقصیٰ میں سارے انبیاء موجود تھے۔ پھر اپنی اپنی قبروں میں بھی انہیں آپ نے دیکھا۔ اور آسمانوں پر بھی ملاقات ہو رہی ہے۔

جواب :۔ تو جواب اس کا یہ ہے۔ کہ دنیا میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ اُن کا وجود ایک ہوتا ہے لیکن وہ قریباً ہر جگہ موجود ہوتی ہیں۔ مثلاً ہوا۔ سورج۔ چاند۔ ملک الموت علیہ السلام۔ شیطان لعین اور آج سائنسی دنیا کی ایجاد ٹیلی ویژن کو دیکھو۔ کہ ایک آدمی اس میں کھڑا ہو کر یا بیٹھ کر جب بولتا ہے۔ یا حرکت کرتا ہے۔ تو کتنی دُور دراز تک اپنے ٹیلی ویژن سیٹ پر اس کی حرکات و سکنات اور چہرہ دلباس وغیرہ کو دیکھتا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کو یہ طاقت نہیں کہ وہ اپنے مقبولانِ بارگاہ کو یہ قوت عطا کرے۔ کہ وہ بیک وقت اپنی قبروں اور مسجد پھر آسمانوں پر موجود ہوں۔ یہ ہی مسئلہ حاضر و ناظر کا ہے۔ جو بحمد للہ تعالیٰ واقعہ معراج سے ثابت ہو رہا ہے۔

اعتراض نمبر ۲۔ اس واقعہ میں ہے کہ باقی انبیاء آپ سے پہلے آسمان پر پہنچ گئے۔ یہ کیوں۔ جواب اس کا یہ ہے۔ کہ جب بارات چلتی ہے۔ تو کچھ باراتی انتظام کرنے کے لئے پہلے پہنچ جاتے ہیں۔ دُلہا اور باقی اُس کے ساتھ والے باراتی خراماں چلتے ہیں۔ اس سے اُن کی کمزوری اور سُست چلنا ثابت نہیں ہوتا۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام آپؐ سے پہلے جلدی آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ اور آپؐ کی تشریف آوری کی آسمانی دنیا کو خوشخبری سنائی اور سلام و قیام کے لئے انہیں صف بستہ کیا۔

اعتراض نمبر ۳۔ آپ نے لکھا ہے کہ شب معراج بڑی دھوم دھام تھی۔ ملائکہ نے جلوس نکالا جس کی قیادت جبریل علیہ السلام نے کی۔ پھر وہ آسمانوں

سے زمین پر آیا۔ تو پھر ساتوں آسمانوں کے ساتوں دروازوں کے پہرے داروں نے اتنے سوالات کیوں کئے۔ اُن کو یہ بتا نہ چلا۔ کہ آج شبِ معراج ہے۔ ابھی تو اُن کے پاس سے جلوس گزرا تھا۔

جواب نمبر ۳۔ بھائی آسمان کا ایک ہی دروازہ نہیں۔ بلکہ کئی در ہیں۔ جلوس کے گزرنے کا دروازہ اَور تھا۔ اور جو رستہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہی مخصوص فرمایا گیا تھا۔ اُس پر جبریل علیہ السلام کا بھی کبھی گزر نہیں ہوا تھا۔ اُس راستے کے ساتوں دروازوں کے چابی برداروں کو حکم تھا۔ کہ خواہ جبریلؑ بھی کیوں نہ ہو۔ جب تک ہمارے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے ہمراہ نہ ہوں۔ ان دروازوں کو ہرگز نہ کھولنا۔

اعتراض نمبر ۴۔ جبریل علیہ السلام نے آپ علیہ السلام کو آسمانوں پر بتایا۔ کہ یہ فلاں نبی علیہ السلام ہیں۔ اور ان کا اسم شریف یہ ہے۔ ابھی تو اقصیٰ میں سب سے ملاقات ہوئی۔ اور باہم بہت دیر تک تقاریر ہوتی ہیں۔ اتنی جلدی کیوں بھول گئے۔ سُنیوں کا عقیدہ ہے۔ کہ حضور پُرنور صلی اللہ تعالےٰ وسلم کی نظروں کے سامنے خدائی کا ذرّہ ذرّہ ہر وقت موجود ہے۔ اور آپ کو ابتدائے خلق سے انتہا تک۔ بلکہ اس سے کہیں زیادہ علم ہے۔ جو آپؐ سے نہ کبھی جُدا ہوا ہے۔ نہ ہو گا۔

جواب۔ بھائی مثال کے طور پر آپ اپنے رشتہ داروں بیوی بچوں میں کھڑے ہوں۔ اچانک ایک ہوائی جہاز سخت آواز کے ساتھ نیچی پرواز کرتا ہُوا۔ آپ کے سر سے گزرے تو اُس وقت آپ کی نظر کی پہچان کی کیفیت کیا ہو گی یا پھر آپ کو خبر دی جائے۔ کہ بادشاہِ وقت نے آپ کو یاد کیا ہے۔ اور یہ سواری بھیجی ہے۔ اور ایک امراء کا جلوس بھی ساتھ ہے۔ اور اُس کو آرڈر ہے۔

کہ فوری طور پر میرے پاس پہنچے۔ کہ مجھے اُس کو کسی اعلیٰ مرتبے پر فائز کرنا ہے۔ بتاؤ تمہارے لئے اُس سفر میں سارے جانے پہچانے نہ جانے ہوئے نہیں ہو جائیں گے۔ آگے چلو زنانِ مصر پوری زینت و زیبائش کے ساتھ اپنے شہرۂ آفاق حسن پر ناز کرتی ہوئیں۔ دربارِ حضرت زلیخا میں پہنچتی ہیں۔ اور بڑی بڑی باتیں بنانے میں مشغول ہیں۔ ساتھ ہی چھریوں سے کاٹ کر میوہ جات کھا رہی ہیں۔ دفعتاً جمالِ یوسفی بے نقاب ہو کر اُن کے سامنے جو آیا۔ تو اس پر نظر پڑتے ہی اُن کی پوری توجہ ہر طرف سے ہٹ کر آپ کی طرف مبذول ہوئی۔ اور اس مستی کے عالم میں (فَقَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ) انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ دیئے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تو دربارِ خاص ربُّ العالمین میں —— تشریف لے جا رہے تھے۔ آپؐ کی کُلّی توجہ الی اللہ تھی۔ ان کا ربّ جل شانہٗ فرماتا ہے۔ (قرآن پاک) مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی۔ نہیں ٹیڑھی ہوئی آنکھ اور نہ حد سے بڑھی یعنی آپؐ جسے دیکھنے جا رہے تھے۔ آپ کا پورا دھیان اُس کی طرف ہی تھا۔ نیز اس حدیث میں یہ کہاں ہے۔ کہ ہم اُن انبیاء کو نہیں جانتے تھے۔ صرف جبرئیلؑ کے بتانے کا ہی ذکر ہے۔ تا۔ سو وہ اُس کی ڈیوٹی تھی۔ جس کو اُس نے نبھایا۔

اعتراض نمبر ۵۔ سب مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ کہ جس طرح خدائے پاک اپنے خدا ہونے میں بے مثل ہے۔ اس طرح مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ساری مخلوق میں بے نظیر و بے مثال ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے۔ کہ آپ علیہ السلام نے انبیاء علیہم السلام کے پاس خود جا کر اُن کو سلام کیا۔ اُن حضرات نے آپ کا کھڑے ہو کر کیوں استقبال نہیں کیا؟

جواب :- بھائی یہ سارے حضرات اپنے اپنے مقامات کو چھوڑ کر مسجد اقصٰی میں آپؐ کے استقبال کے لئے ہی تو تشریف لے گئے۔ آپؐ کے پیچھے دوگانہ ادا کیا۔ آپؐ کے جشنِ معراج کے جلسے میں تقاریر فرمائیں۔ اب چونکہ یہ حضرات اپنے اپنے مقام پر تشریف رکھتے ہیں۔ اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اُن کے پاس سے گزر فرما رہے ہیں۔ اور یہ قاعدے کی بات ہے۔ کہ ہمیشہ باہر سے آنے والا ہی سلام کہتا ہے۔ اب میں باقیماندہ واقعہ کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ ہم وہاں سے فارغ ہو کر جب تھوڑی دیر چلے۔ تو ایک پُر رونق نہایت ہی خوبصورت پُر سرور (نُوْرٌ عَلٰی نُوْر) مقام آیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی۔ اے میرے آقا یہ آپ کے غلام کا مقام ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے نزول فرما کر اس جگہ کو خیر و برکت سے معمور فرمایئے۔ آپؐ نے درخواست منظور فرمائی۔ اور براق سے نیچے تشریف لائے۔ پھر جبریلؑ نے عرض کی۔ کہ حضور والا شان میرا جی چاہتا ہے۔ کہ میں اذان دوں۔ اور جس طرح اقصٰی میں انبیاء کا اجتماع ہوا ہے۔ اسی طرح میرے گھر ملائکہ کا مجمع ہو۔ اور آپؐ ہمیں اسی طرح دوگانہ پڑھائیں۔ پھر قیام و سلام ہو جائے۔ فرمایا ٹھیک ہے۔ چنانچہ جناب جبریلؑ نے اذان کہی۔ تمام فرشتے جمع ہوئے۔ آپؐ نے سب کی امامت فرمائی۔ مقام جبریلؑ کے پاس ہی ایک ایسی بیری دیکھی جس کی جڑ چھٹے آسمان میں تھی۔ اور فرماتے ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ اُس کے بیر مثل مٹکوں کی اور پتے ہاتھی کے کانوں جیسے تھے۔ اور اُس کے تمام پتوں کو فرشتوں نے ڈھانپ لیا تھا۔ جو ذکرِ خدا کرتے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ (اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی) جب ڈھانپ لیا بیری کو جس نے ڈھانپا یعنی فرشتوں نے تمام اُس بیری کا (سدرۃ المنتہٰی) یعنی آخری بیری۔ کہ اُس سے اُوپر نہ کوئی گیا ہے۔ نہ جائے گا۔ نہ

ہی جا سکتا ہے۔ مولا کریم جل شانہٗ فرماتے ہیں۔ (عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوٰى)
یعنی اُس بیری کے پاس ہی جنّت ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس کی
سیر فرمائی۔ حوضِ کوثر کو دیکھا۔ اور اُس کا پانی نوش فرمایا۔ اپنے غلاموں کے
مکانات کو ایک ایک کر کے دیکھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے جنّت میں
ایک اعلیٰ و بالا مکان دیکھا۔ جس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام لکھا ہوا
تھا۔ میرے جی میں آیا کہ اس کے اندر جاؤں۔ پھر مجھے حضرت عمرؓ کی غیرت یاد
آگئی۔ یہ سُن کر فاروقِ اعظم رونے لگے اور عرض کی۔ (شعر)

یہ آپؐ کا ہی کرم ہے آقاؐ کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے

نیز فرماتے ہیں کہ ہم نے ایک عورت کو وضو کرتے دیکھا۔ جب توجہ کی تو وہ حضرت
اُمیّہ میرے فلاں غلام کی بی بی تھی۔ الغرض جنّت کی سیر و سیاحت سے فارغ ہوئے
تو حضرت جبریلؑ سے آگے چلنے کو کہا۔ اس پر جبریلؑ عرض کرتا ہے۔ (قرآن مجید)
وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ ۝ (ترجمہ) نہیں ہے ہم
فرشتوں میں سے کوئی۔ مگر واسطے اُس کے ایک جگہ ہے۔ پہچانی ہوئی۔ یعنی ہم
تمام فرشتوں میں سے ہر ایک کا ایک مقام مقرر ہے۔ وہ اس سے اُوپر نہیں
جا سکتا۔ میرا یہ مقام ہے۔ میں معافی چاہتا ہوں۔ آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم
نے فرمایا۔ جبریلؑ کمال کرتے ہو۔ پہلا سفر تو جلسے جلوس اور ملتے ملاتے بیٹھتے اُٹھتے۔
طے ہوا۔ پُر لطف اور پُر سرور تو آگے کا سفر ہے۔ تو ہمارا دوست ہم نے تیرے
ساتھ کبھی تیری دل شکنی کی بات نہیں کی۔ پھر کیا بات ہے۔ ہمارے ساتھ
جانے سے کیوں جی چُراتا ہے۔ اس پر جنابِ جبریلؑ نے کہا۔ کہ حضور صلّی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلّم جس کو آپؐ کی سنگت اور خدمتِ سفر میں ہمرکابی نصیب ہو۔
اس پر تو عرش بھی رشک کرتا ہے۔ میرے آقا ہوتی طاقت وہ کون ہے جو

آپؐ کا ساتھ چھوڑے اور آپؐ کے ساتھ جانے سے مُنہ موڑے۔ بات دراصل یہ ہے۔ کہ آگے اس قدر انوار و تجلیاتِ الٰہی کا ظہور ہے۔ کہ میں باوجود نوری ہونے کے ذرّہ برابر اُوپر اُڑوں تو جل کر خاکستر ہو جاؤں۔ یہ آپؐ کے لئے مقدّر ہو چکا ہے۔ کہ بجز آپؐ کے یہاں سے اُوپر کوئی پرواز نہیں کر سکتا۔ لہٰذاہ میں اپنی عرض کو بار بار دُہراتا ہوں۔ آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم خوب جانتے تھے کہ مرضی الٰہی اسی طرح ہے۔ یہ سفر ہم اکیلے ہی طے کریں گے۔ ورنہ اگر آپؐ چاہتے۔ تو اس کو ساتھ لے جا سکتے تھے۔ دیکھو جن فرشتوں نے عرشِ الٰہی کو اُٹھا رکھا ہے۔ وہ تو جبریل علیہ السلام سے کہیں اُوپر ہیں۔ حضور صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ اچھا بھائی جبریلؑ تمہاری مرضی۔ اگر تم ہمارے ساتھ نہیں چلتے۔ تو چونکہ ہم کچھ خاص گزارشات لے کر دربارِ ایزدی میں حاضر ہو رہے ہیں۔ اگر تیری بھی کوئی حاجت ہو۔ تو بتا اُسے بھی ہم اللہ تعالیٰ کے دربار میں پہنچا کر منظور کروا دیں گے۔ جبریلؑ بولا۔ ہاں میرے آقاؐ ایک حاجت تو ضرور ہے۔ وہ یہ کہ بروزِ قیامت جو بال سے باریک تلوار سے تیز پُل صراط جس کا سفر تین ہزار سال کا ہوگا۔ دوزخ کے دہانے پر بچھائی جائے گی۔ سب اولین و آخرین کو اس پر سے گزرنا ہوگا۔ میری سرکارؐ اس عاجز پر اتنا کرم ہو جائے۔ اور یہ اجازت مل جائے۔ کہ جب پُل پر سے آپؐ کی اُمت گزرنے لگے۔ تو میں اپنی نوری پَر اُس پر بچھا دوں۔ یا یوں کہ سب آپؐ کے غلاموں کو اپنے پَروں پر بٹھا کر ایک ہی جھٹکے میں جنّت کے در پر پہنچا دُوں۔

بھائیو ان سطور کو پھر پڑھیں۔ اور اپنی شان کا اندازہ کریں اور (یا رَسُولؐ اللہ) کے نعروں سے دل و ایمان کو تازہ کریں۔ آپؐ پر صلوٰۃ وسلام بے اندازہ پڑھیں۔ الغرض۔ آپؐ جبریلؑ علیہ السلام کو بطیبِ

خاطر چھوڑ کر تنہا رواں دواں ہوتے ہیں۔ راستے میں براق بھی رہ گیا اور رَف رَف آیا وہ بھی ہار کر گر پڑا۔ مگر آپ بدستور (لکھو کھہا) حجاباتِ نوری طے فرماتے ہوئے قریبِ عرش ایسی جگہ جا پہنچے۔ جہاں پر تمام آوازیں منقطع ہو چکی تھیں۔ آپؐ کو گھبراہٹ سی محسوس ہوئی۔ قدرتِ خداوندی سے صدیق اکبرؓ کی آواز میں کسی نے کہا۔ (رکھتْ یَا مُحَمَّدْ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم وَ رَبُّکَ یُصَلِّیْ) جس کا ایک ترجمہ یہ ہو سکتا ہے۔ یا حضرت ٹھہریے آپؐ کا ربّ نماز پڑھتا ہے۔ چونکہ آپؐ کی پوری توجہ تو اپنے مالکِ حقیقی کی طرف تھی۔ ذرا سی سوچ ہوئی کہ حضرت ابوبکرؓ یہاں اور پھر ربّ کا نماز پڑھنا۔ اس سوچ نے آپؐ کی وہ گھبراہٹ دور کر دی۔ پھر پیہم (اُدْنُ مِنِّیْ۔ اُدْنُ مِنِّیْ) کی آواز آنے لگی۔ یعنی اے ساری خلقت سے بہتر میرے قریب ہو۔ چنانچہ آپ چلتے چلتے بالکل عرش الٰہی کے قریب پہنچ گئے۔ بڑا مشہور واقعہ ہے۔ کہ پھر آپؐ نے نعلین شریف اُتارنے کا ارادہ فرمایا۔ تو حکم ہُوا۔ کہ اے محبوب علیک السلام جوڑے سمیت تشریف لایئے۔ چنانچہ آپؐ معہ نعلین شریف عرش پر تشریف لے گئے۔ اب عرش سمیت خدا کی ساری خدائی آپؐ کے مبارک جوڑوں تلے ہے۔ اور آواز آرہی ہے۔

(شعر) جو بیتا ای لَے لے محمدؐ دے دَر نوں

ہے دیندا خُدا تے دَڈیندا محمدؐ

اُس وقت بیقرار۔ منتظرِ دیدار۔ سیّدالابرار۔ عرشِ پروردگار۔ کو آگیا قرار۔ اور جھوم جھوم کر یہ کرتا تھا تکرار۔

(شعر) سر پہ رکھنے کو مل گئی نعلین پاکِ حضورؐ

اب سمجھتے ہیں کہ ہاں تاجدار ہم بھی ہیں

الغرض اب آپؐ لامکان میں ہیں۔ جہاں نہ شرق و غرب۔ نہ جنوب و شمال۔ نہ فوق و تحت۔ اعلیحضرت عظیم البرکتؒ فرماتے ہیں۔

(شعر) لامکاں کے وہ مکیں ہوئے سرِ عرش تخت نشیں ہوئے

وہ نبی ہیں جن کے ہیں یہ مکاں وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں

وہاں پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خدا کے اتنے قریب ہوئے۔ جس کو پارہ نمبر ۲۷ سورہ نجم میں یوں بیان فرمایا ہے۔ (فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی) پس ہو گئے مثل دو گوشے کمان کے یا اُس سے بھی قریب تر۔ خدائے عَزَّ وَجَلَّ کا دیدار پُرانوار آپؐ نے بے پردہ اپنے مبارک سر کی مَازَاغَ والی سُرمیلی آنکھوں سے کیا۔ اور تبسم فرما رہے تھے۔ اُدھر کوہ طور پر ایک صفاتی تجلّی پڑتی ہے۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو جاتے ہیں۔ تو فرمانِ حق ہوُا۔

(شعر) تو مجھے دیکھ لے میں تجھے دیکھ لوں

دیکھنے کا مزا آج ہ کی رات ہے

فرمایا نبی کریم علیہ السلام نے کہ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے میرے حلق میں ایک رحمت کا قطرہ ڈالا جس سے اوّلین و آخرین کے تمام علوم مجھ پر ظاہر ہو گئے۔ پھر راز و نیاز کی باتیں شروع ہوئیں۔ آپؐ نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے عرض کی کہ مولا وہ حضرت ابوبکرؓ کی آواز اور تیری نماز اس کا کیا سبب تھا۔ حکم ہوا۔ اے محبوبؐ مجھے علم ہے۔ کہ آپؐ کو سب سے زیادہ پیار حضرت ابوبکرؓ سے ہے اور یہ قاعدے کی بات ہے۔ کہ گھبراہٹ کے وقت اگر کوئی پیارا دوست

مل جائے۔ تو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے ہم نے ایک فرشتے کی آواز
کو جناب ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز جیسا کر دیا تھا۔ اور یُصَلِّیْ کے
معنی نماز پڑھنا بھی ہوتا ہے۔ اور رحمت فرمانا بھی۔ تو میں آپؐ کے آنے سے
پہلے آپؐ کی گنہگار اُمت پر رحمتیں نچھاور کر رہا تھا۔ پھر فرمایا۔ کہ وہ جبریلؑ
کی درخواست آپؐ کے عرض کرنے سے پہلے ہی ہم نے منظور فرمالی۔ الغرض اُس
قُربِ خاص میں یا یوں کہو۔ کہ بند کمرے میں جہاں بجز۔ مُحبّ و محبوب تیسرا ہے
ہی نہیں۔ کیا دیا اور کتنا دیا۔ اس کو خود خالق کائنات بیان فرماتے ہیں۔
(فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى) پس وحی کی اللہ
تعالیٰ نے طرف اپنے بندۂ خاص کو جو اُسے منظور تھی۔ یعنی جتنا اُس کی مرضی
تھی۔ دے دیا۔ اور لینے والے محبوب علیہ السلام نے لے لیا۔ اُس کی تو
انبیاء کرام۔ ملائکہ فخّام۔ علیہم السلام کو بھی خبر نہیں۔ آج کل کے ـــــ
مُلّاؤں کو یہ حق کس نے دیا ہے۔ کہ علمِ مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی
بیمار عقل کی تکڑی۔ میں تولنے کی کوشش کر کے اپنا نامۂ اعمال سیاہ کریں۔
باتوں ہی باتوں میں مولا کریم نے ارشاد فرمایا۔ اچھا اے محبوب علیہ السلام تو آپ
تشریف تو لائے ہیں۔ بھلا یہ تو کہیئے کہ میرے لئے اپنے ساتھ کوئی تحفہ بھی لائے ہو۔
کیونکہ آپؐ کو پتہ ہے۔ کہ دُنیا کا دستور رہے۔ دوستوں کے پاس جب دوست جاتے
ہیں۔ تو کوئی تحفہ ضرور لے کر جاتے ہیں۔ آپؐ نے فوراً عرض کی۔ جی ہاں ضرور لایا
ہوں۔ فرمایا۔ پھر پیش کرو۔ عرض کی یا مولا لو حاضر ہے۔ اور التحیّات کے
پہلے کلمات پڑھے۔ جن کا مطلب یہ ہے۔ کہ جو عبادتیں زبان سے مال سے۔
بدن سے کی جاتی ہیں۔ سب کی سب لِلّٰہِ۔ اللہ کے واسطے ہیں۔ یہ سُن کر اللہ
کریم نے فرمایا۔ بہت خوب ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ پھر ارشاد ہوا۔ کہ اے محبوب

علیہ السلام آپ نے بے مثال تحفہ میرے دربار میں پیش کیا ہے۔ لہٰذا (اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللہِ وَ بَرَکَاتُہٗ) اے غیب کی خبریں دینے والے نبی ؐ آپ پر سلام ہو۔ اور اللہ کی برکتیں اور رحمتیں نازل ہوں۔ یہ سُن کر آپؐ نے اکیلے جواب دیتے ہوئے تمام انبیاء و ملائکہ بلکہ سب اولیاء کو اس میں شامل کر کے کہا۔ (اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَ عَلٰی عِبَادِ اللہِ الصَّالِحِیْنَ) یعنی ہم پر سلام ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے تمام نیک بندوں پر بھی۔ بھائیو۔ یہی سلام ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے لامکاں میں آپؐ پر پڑھا۔ اور بحکم قرآن پڑھتا ہے۔ اور پڑھتا رہے گا۔ پھر ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے غلاموں کو حکم دیا۔ کہ خواہ کوئی مرد و عورت کہیں بھی ہو۔ قیامت تک کسی بھی زمانے میں ہو۔ ادنیٰ ہو۔ یا اعلیٰ۔ عالم ہو۔ یا جاہل۔ بشرطیکہ ہو مسلمان ہمارا سچا غلام۔ وہ اپنی ہر نماز میں پڑھے ہم پر سلام۔ تو پھر اُس کو ہم اگر اذان سے پہلے یا نماز کے بعد یا کسی اور وقت میں پڑھتے ہیں۔ تو ہم سے اس کا ثبوت مانگا جاتا ہے۔ اور کُفر و شرک کے فتوؤں سے ہمیں کوسا جاتا ہے۔ کیا ان لوگوں کو یہ دلائل نظر نہیں آتے۔ کم از کم مشکوٰۃ صفحہ ۸۶ باب ـــ صلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی حدیث نمبرے کو ہی بنظر ایمان پڑھ لیں۔ تو شاید ایسے فتوؤں سے توبہ کر لیں۔ حدیث مذکورہ میں ہے۔ کہ ہمارا جو غلام جس جگہ جس زمانے میں جب کبھی بھی ہم پر سلام پڑھے۔ تو اللہ تعالیٰ ہماری توجہ کو ہماری طرف پھیر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ ہم اُس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ ہاں اب اصل واقعہ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ وہاں پر اس گنہگار اُمت کا تذکرہ بھی آ گیا۔ عرض کیا اے میرے معبود میری اُمت نہایت گنہگار ہے۔ عمریں قلیل ہیں۔ کاروبار بہت زیادہ ہیں۔ پوری لگن سے نیک اعمال نہیں کر سکتی۔ اُن کی نجات کس طرح ہو گی۔ حکم ہوا۔ کہ سورۃ بقر کی آخری آیات ہم آپؐ کو مرحمت فرماتے ہیں۔ اپنی اُمت

کو فرما دینا۔ کہ جو ایماندار سونے سے پہلے ان کو روزانہ پڑھ لیا کرے گا۔
اُس کی بخشش کے لئے یہ کافی ہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر اپنی رحمت سے
ہم ارشاد کرتے ہیں۔ کہ آپؐ کا جو غلام اس حال میں مَرے۔ کہ بصدقِ دل
اُس نے کلمہ شریف پڑھا ہو۔ اور شرک سے باز رہا ہو۔ میں اُس کے
گناہ چاہے کتنے بھی ہوں۔ بخش دونگا۔ اور اُسے جنّت میں داخل کرونگا۔
چونکہ آپؐ نے آسمانوں پر فرشتوں کو قیام و سجود میں عبادت کرتے دیکھا
تھا۔ اس لئے دلِ مبارک میں خیال پیدا ہوُا۔ کہ ایسی ملائکہ والی عبادت
ہمیں بھی عطا ہو جائے۔ اور ہماری اُمت اِسے بجا لائے۔ تو ان پاک ہستیوں
کی برکت سے اُن کی عبادت بھی درجہ قبولیت کو پہنچے۔ چنانچہ اُسی وقت
آپؐ پر اور آپؐ کی اُمت پر پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔ جن کو بخوشی قبول
فرما کر با اجازت رَبّ العالمین مراجعت فرمائی۔ جب موسیٰ علیہ السلام کے
پاس تشریف لائے۔ تو انہوں نے پوچھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایئے اُمت
کے لئے کیا تحفہ لے کر جا رہے ہو۔ فرمایا۔ ہر دن رات میں پچاس نمازیں۔ موسیٰ علیہ
السلام نے کہا۔ اَللّٰہُ اَکْبَر۔ میری اُمت پر صرف دو نمازیں فرض تھیں۔
میں نے کئی سو سال تک اُن کو تبلیغ کی۔ مگر سوائے چند لوگوں کے اِن کو کسی
نے ادا نہیں کیا۔ آپؐ اتنی زیادہ نمازیں لے کر بخوشی تشریف لے جا رہے ہیں۔
اپنی اُمت پر کرم فرمایئے۔ اور میری اس مدد کو اپنی اُمت کے حق میں قبول فرمایئے۔
اور واپس تشریف لے جا کر کمی کی درخواست کیجئے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم
فرماتے ہیں۔ میں واپس گیا۔ اور نمازیں کم کرنے کی بارگاہِ ایزدی میں عرض کی۔
اس پر حکم ہوُا۔ کہ جاؤ پانچ نمازیں کم کر دیں۔ پھر واپس آ کر موسیٰ علیہ السلام کو
خبر دی۔ تو انہوں نے عرض کیا۔ کہ میرے آقا مجھے دُنیا کا تلخ تجربہ ہے۔ آپؐ کی

اُمت کی تو بہت کم عمریں اور زیادہ کاروبار اور اَن گنت مصیبتوں کی شکار ہوگی۔ آج بابِ رحمت کھلا ہے۔ آپؐ پھر تشریف لے جائیے اور کمی کرائیے۔ اسی طرح میںؐ نے نو(۹) چکر لگائے۔ تو صرف پانچ(۵) نمازیں باقی رہ گئیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے تو پھر بھی کہا۔ حضورؐ ایک دفعہ اور تشریف لے جائیے۔ مگر میں نے کہا کہ بھائی موسیٰ علیہ السلام اب مجھے شرم آتی ہے۔ بعض مسلمانوں کا تو یہ خیال ہوگا۔ کہ اگر ایک چکر اور لگا دیتے۔ تو معاملہ ہی صاف ہو جاتا۔ نہ مسجدیں ہوتیں۔ نہ اذانیں اور نہ کوئی ہمیں نماز پڑھنے کو کہتا۔ اللہ تعالیٰ دین کی محبت عطا فرمائے۔ یہاں پر ایک اعتراض ہو سکتا ہے۔ کہ جب بالآخر نمازیں پانچ ہی فرض ہونی تھیں۔ تو پہلے پچاس کا حکم کیوں دیا؟ تو جواب اُس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان کا ظاہر فرمانا مقصود تھا۔ اور دُنیا والوں کو یہ بتانا تھا کہ دیکھو۔ میں اپنی فرض کی ہوئی نمازیں اُن کی درخواست سے کم کر رہا ہوں۔ نیز یہ بھی بتانا تھا۔ کہ دیکھو موسیٰ علیہ السلام ہزاروں سال پہلے فوت ہو چکے ہیں۔ اب اُمتِ مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امداد فرما رہے ہیں۔ جو لوگ استمدادِ اولیاء و انبیاء کے منکر ہیں۔ اور اُس کو شرک کہتے ہیں اُنہیں چاہیئے۔ کہ ہر روز پچاس نمازیں پڑھ کر اپنی پکی سچی توحید کا ثبوت دیں۔ پھر شانِ محبوب علیہ السلام دیکھو۔ حکم ہوُا۔ کہ اے لولاک کے تاج والے۔ دو جہان کے راج والے۔ عاصیوں کی لاج والے۔ شبِ معراج والے۔ میں نے پچاس(۵۰) نمازیں فرض کیں۔ اور آپؐ پانچ(۵) پر رضامند ہوئے۔ میں خدا ہوں۔ میری بات ہرگز بدل نہیں سکتی۔ ادہر آپؐ کی رضا ہے جو کہ ہماری طلب ہے۔ اعلیحضرت امام اہلسنت شاہ احمد رضا خاں صاحبؒ فرماتے ہیں۔ (شعر)

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم ☆ خدا چاہتا ہے رضائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اچھا۔ اب اس کا فیصلہ یوں فرماتے ہیں۔ کہ اُمت کو فرما دو۔ کہ وہ آپؐ کی پسند کو بہ دل وجاں قبول کر کے پانچ نمازیں پڑھا کریں۔ ہم یہ قانون بنا دیتے ہیں۔ (قرآن پاک) مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا۔ یعنی جو ایک نیکی کرے۔ اُس کے لئے اُس نیکی کے بدلے دس نیکیاں ہیں۔ تو ہم اُن کو پچاس کا ثواب ہی عطا فرما دینگے۔ (ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ) حاصل مطلب۔ آپؐ بُراق پر سوار ہو کر آسمانوں سے گزرتے ہوئے۔ واپس مکہ شریف تشریف لائے۔ اس تمام سفر میں کتنا وقت خرچ ہوا۔ اُس کے متعلق قرآنی ارشاد ہے۔ کہ رات کا تھوڑا سا حصہ میں نے اپنی کتاب آئینہ صداقت میں یوں عرض کیا ہے۔ (اشعار)

ہو فارغ گھر وَل آئے شہاؐ ⁂ کُنڈا ہلدا تے بستر گرم رہیا
نالے وضو دا پانی چلدا پیا ⁂ واہ واہ قدرت رَبّ دِکھلائی اے

صبح کو یہ واقعہ سب سے پہلے آپؐ نے حضرت اُم ہانی کو سُنایا۔ جس نے بہ دل وجاں اُس کی تصدیق کی۔ پھر آپؐ نے کعبے شریف میں تشریف لا کر مجمعٔ خاص و عام کے سامنے اس کو بیان کیا۔ اسے سُن کر کسی کو یقین نہ آیا۔ سب لوگ طرح طرح کی باتیں بنانے لگے۔ تمسخر اُڑانے لگے۔ اور کہنے لگے۔ کہ دیکھو صرف مسجد اقصیٰ پہنچنے اور واپس آنے میں کئی مہینے لگتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں۔ کہ میں رات کے تھوڑے حصے میں مسجد اقصیٰ نہیں بلکہ سر عرش پہنچ کر واپس آ گیا ہوں۔ وہ لوگ آپؐ کو اپنی مثل سمجھتے اور آپؐ کی شان سے بے خبر تھے۔ چنانچہ کافروں کا سردار۔ بے ادبوں کا سالار۔ ابو جہل ناہنجار۔ اپنے چند ساتھیوں کو لے کر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچا۔ اور جا کر کہا۔ کہ حضرت کچھ اپنے دوست کی بھی خبر ہے۔ سُنا ہے وہ کیا کہتا ہے۔ آپؓ نے فرمایا۔ میرے حضور پُر نور۔ دلوں کے سرور کیا فرماتے ہیں۔ اُس نے کہا۔ وہ

یہ کہتے ہیں کہ میں اس جسم کے ساتھ بیداری میں رات کے تھوڑے حصے میں مسجد اقصٰی اور آسمانوں کی سیر کر کے آیا ہوں۔ یہ سن کر جناب ابوبکرؓ بولے کہ آپؐ نے سچ فرمایا ہے۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا۔ کہ ہمیں اپنے (۳۶۰) تین سو ساٹھ خداؤں کی قسم انہوں نے اسی طرح بیان کیا ہے۔ یہ سُن کر آپؓ نے فرمایا۔ کان کھول کر سُن لو۔ اگر میرے آقا علیہ السلام کا فرمان ہے۔ تو میں اُس کو بہ دل و جان سچّا سمجھ کر اُس کی تصدیق کرتا ہوں۔ چونکہ اس معراجِ جسمانی کا سب سے پہلے بغیر پُوچھ گچھ کے جناب ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہی اقرار کیا۔ اس لئے اُس دن سے آپؓ کا لقب صِدّیقؓ ہُوا۔ اور ابوجہل منکر ہو کر (زِندیق) ہُوا۔ قریشِ مکّہ عام طور پر تجارت کے لئے ملکِ شام جاتے آتے رہتے تھے۔ اُنہوں نے مسجدِ اقصٰی اچھی طرح دیکھی ہوئی تھی۔ اس لئے سارے جمع ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ اور سوال کرنے لگے۔ اچھا بتاؤ۔ اُس کے دروازے کتنے ہیں۔ اور اُن کے تختے لکڑی کے ہیں۔ یا کہ لوہے کے۔ اور اُس کا رنگ و روغن کیسا ہے۔ محراب کی کیا شکل ہے۔ چھت کس قسم کی ہے وغیرہ وغیرہ۔ آپ اُوپر پڑھ چکے ہیں۔ کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری توجہ اللّٰہ کی طرف تھی۔ سرسری نظر سے باقی چیزوں کا مشاہدہ فرماتے رہے۔ اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم فرماتے ہیں۔ کہ اُن کے سوالات کا جواب دینے میں میرے دل میں کچھ دقّت سی ہوئی۔ تو میرے ربّ کے کرم سے کعبے شریف کے پاس جناب عقیل ابن ابی طالب کا گھر ہے۔ اُس کے پاس قریب مسجدِ اقصٰی موجود ہوئی۔ پھر کیا تھا۔ جتنے سوالات وہ مجھ پر کرتے تھے۔ میں اُسے دیکھ کر جوابات دیتا جاتا تھا۔ جب اُنہوں نے اپنے سوالات کے جوابات تسلی بخش پائے۔ تو پوائنٹ بدلا۔ اور کہنے لگے۔ کہ ہمارے قافلے شام کو

گئے ہوئے ہیں۔ اور اُس ملک کو سب جانے والے ایک ہی رستے سے جاتے ہیں۔ تو آپؐ کے قول کے مطابق آپؐ مسجد اقصیٰ گئے ہیں۔ تو پھر ضروری ہے وہ آپؐ کو ملے ہوں گے۔ اُن کا حال بتائیے۔ کہ وہ کہاں ہیں۔ کس حالت میں ہیں۔ یہاں کب پہنچیں گے۔ فرمایا۔ ایک تمہارا قافلہ فلاں جنگل میں ہم نے دیکھا تھا۔ جو اپنے گمشدہ اُونٹ کو تلاش کر رہے تھے۔ ہم نے اُن کو اس کا پتہ بتایا۔ اب وہ مکہ شریف پہنچ چکے ہیں۔ جاؤ اُن سے دریافت کرلو۔ یہ بات درست ہے یا نہیں۔ جب لوگوں نے قافلے والوں سے دریافت کیا۔ تو انہوں نے اس کی تصدیق کی۔ کہ واقعی ہمارا اونٹ گم ہو چکا تھا۔ کسی نے ہمیں پکارا۔ کہ تمہارا اُونٹ اِدھر ہے۔ ہم نے پکار تو سُنی۔ لیکن وہ نظر نہیں آیا۔ نیز آپؐ نے فرمایا۔ تمہارے دوسرے قافلے کو ہم نے فلاں جنگل میں دیکھا اور اُن کے مٹکے سے پانی پیا۔ دیکھو خدا کے دیئے ہوئے عِلم غیب سے خبر دے رہا ہوں۔ یقین کرو۔ شک نہ کرنا۔ کہ شک کرنے والوں کا انجام خراب ہوتا ہے۔ وہ تمہارا قافلہ بُدھ کے روز سورج ڈوبنے سے پہلے مکہ شریف پہنچے گا۔ اور اُن کا جو سب سے آگے اونٹ ہوگا۔ اُس کا رنگ خاکی ہے۔ اور اُس پر دو بورے لدے ہوئے ہیں۔ جن میں سے ایک سفید رنگ کا اور دوسرا دھاری دار ہے۔ چنانچہ جو آپؐ نے فرمایا تھا۔ وُہ بدھ کا دن آیا۔ تو تمام مکہ والے پہاڑوں پر چڑھ کر ملک شام کی طرف دیکھنے لگے۔ اور دل میں کہتے تھے کہ اتنی تفصیلی غیب کی خبر جو آپؐ نے قبل از وقت وقوع دی ہے۔ دیکھیں۔ کس طرح پُوری ہوتی ہے۔ قدرتِ خداوندی اور شانِ مصطفٰے علیہ السلام کا مشاہدہ کرو۔ کہ قافلے والوں کو کسی وجہ سے مکہ مکرمہ پہنچنے میں دیر ہو گئی۔ اِدھر سورج کے غروب ہونے میں تھوڑا سا وقت

باقی تھا۔ منکرین علم مصطفےٰ آپس میں سر ہلا ہلا کر آنکھوں کے اشاروں سے اور اپنی زبانوں سے ایک دوسرے کو کہہ رہے تھے۔ دیکھو سورج غروب ہونے کو ہے۔ اور قافلے کا ابھی کوئی نام ونشان ہی نہیں۔ ذرا سورج ڈوب لینے دو۔ پھر ہم مسلمانوں سے پوچھیں گے۔ یہ تمہارے نبی ہیں جن کو غیب دان جانتے ہو۔ دیکھو اُن کی دی ہوئی خبر غلط نکلی۔ اور ہمیں معراج سے انکار کرنے کا بڑا ثبوت مہیا ہوگا۔ لیکن یہ کم عقل جانتے نہیں تھے۔ کہ جس آقا مخبر صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے۔ اُس کا مقام کیا ہے۔ میں نے اپنی کتاب آئینہ صداقت حصہ دوم میں عرض کیا ہے۔ (شعر پنجابی)

اُوہ خلقت دا ہادی تے مولا دا پیارا
جہیدا چن سورج وی سمجھن اشارا
ہے جاری حکومت دوہیں جہانیں ۞ آقا ہے ساڈا مولا دا جانی
تے ساری خدائی وچوں لاثانی

چنانچہ آپؐ نے ڈوبتے ہوئے سورج کو اشارہ فرمایا۔ کہ جب تک قافلہ مکہ شریف نہیں پہنچ جاتا۔ تجھے غروب ہونے کی اجازت نہیں۔ سورج اشارہ پاکر رُک گیا۔ اور اُن کا رب جانے کہ کتنی دیر تک رُکا رہا۔ جب قافلہ مکے شریف میں داخل ہوگیا۔ تو پھر سورج غروب ہوگیا۔ سبحان اللہ یہ ہے۔ احترام مصطفےٰ علیہ السلام یہ عقیدے کی بات ہے۔ کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام خدا کی ہر قسم کی مخلوق کے نبی ہیں۔ ساری خدائی پر آپؐ کی تعظیم اور آپؐ کے حکم کو ماننا۔ فرض ہے۔ چنانچہ آپؐ کے ارشاد کے مطابق قافلہ غروب آفتاب سے پہلے مکہ شریف میں داخل ہوا۔ اور جو نشانات اُس کے بتائے گئے تھے۔ لوگوں نے سب کو صحیح پایا۔ پھر جن کی قسمت بلند تھی خدا کی توفیق

شاملِ حال تھی۔ اُن کے نصیب نے یاوری کی۔ اُن کے بخت کا ستارہ چمکا۔ وہ سچّے دل سے ایمان لاکر آپؐ کی غلامی میں داخل ہو گئے۔ اور اور کہتے تھے۔

(شعر) ہمیں آقا ہمارا مل گیا ہے ✣ دو عالم کا سہارا مل گیا ہے

باقی جو ازلی بدبخت تھے۔ وہ انکار پر اڑے رہے۔ نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی۔ (نوٹ) بھائیو میں نے نہایت اختصار کے ساتھ اس واقعہ کو قلم بند کیا ہے۔ اب آخری بات جو اس واقعہ کے متعلق ہے۔ لکھ کر کتاب کو ختم کرتا ہوں۔

وہ بات یہ ہے۔ کہ کوئی شخص اگر اندرونِ مُلک یا بیرون ملک کسی شہر میں جائے اور وہاں سے اپنے رشتے داروں اور اولاد کے لئے اپنی پسند کا تحفہ لائے۔ اور اُس کے گھر والے اُس تحفے کو قبول نہ کریں۔ بلکہ اُسے حقارت کی نظر سے دیکھیں اور طرح طرح کے نقص نکالیں۔ تو بتاؤ کہ وہ شخص اپنے گھر والوں پر کتنا ناراض ہوگا اور اُس کے دل کو کتنی ٹھیس پہنچے گی۔ میرے ایمان و عقیدے کے ساتھیو۔ ہمارے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے دربار پُرانوار سے ہمارے لئے عرشی تحفہ نمازِ پنجگانہ لائے۔ اب ہم سب سوچیں کہ آیا اُس تحفے کی قدر کر کے ہم تحفہ لانے والے صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کر رہے ہیں۔ یا اُس کی بے قدری کر کے اُسے پیٹھ پیچھے ڈال کر آپ علیہ السلام کی ناراضگی کا وبال اپنے سر لے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے محبوب علیہ السلام کا احترام نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

تمت

خاتمہ کتاب مستطاب در نظم پنجابی

سب تعریفاں تیتوں لائق دو[۲] جگ دے سلطاناں
حکم تیرا ہر شئے تے جاری یا قادر رحماناں

جس نوں جو شئے دینی چاہویں اُس عطا فرماویں
جو کم جس تھیں لینا چاہویں دے توفیق کراویں

مَیں معذور تے علم نہ کوئی آیا اوس میدانے
جس وِچ قدم ٹکاون لگیاں ڈر دے عالم دانے

مَیں اس کم دے لائق نئیں ساں کی حقیقت میری
اِس وَل مائل کیتا میتوں بخشش رحمت تیری

یا ربّ کرم تیرے نے میری ڈاہڈی کیتی یاری
اِتنی جلد مکمل ہوئی اِیہہ کتاب پیاری

ایویں دے توفیق الٰہی اپنے بندیاں تائیں
جلدی نال چھپاون اس نوں پاون نیک جزائیں

تیرے اگے میرے مولا مشکل اِیہہ نہ کائی
چھپ جاوے وِچ زندگی میری ہووے خوشی سوائی

۱۴۰۲ ہجری پہلی ماہ ربیع الاوّل آہی
(۲۰) ویہاں دناں وِچ حافظ آصف لکھ کر اِیہہ مکائی

---

۱ چوداں سو (۱۴۰۰)

بس کر جا ہُن چُپ کر ایتھے لمّی چھوڑ کہانی
حافظ ایہہ کمال نئیں تیرا رحمت خاص ربّانی
یا ربّ ستّر (۷۰) سالہ بُڈھا در تیرے تے آیا
دفتر کالے بدیاں والے اپنے نال لیایا
ساری عُمراں اِس دے کولوں نیکی ہِک نہ ہوئی
جے توں اس نوں بخشیں ناہیں اسدی تھاں نہ کوئی
در تیرے تے آن ڈِگا ہیں ہیٹوں دُور نہ کر توں
اُمّت ہاں ہیں یار تیرے دی رحمت کریں نظر توں
بخش ہیٹوں ہور ماں پیو خیشاں یار آشنا تمامی
نالے اوہ شاگرد جنہاں نئیں کیتی نمک حرامی
لکھنے پڑھنے سُننے والے جو احباب تمامی
سبھناں تائیں جنّت اندر دے مکان گرامی
کرم کریں اُستاداں اُتّے درجے اوہناں ودھائیں
مُوتوں پچھے حافظ تائیں اوہناں سنگ رلائیں

(بقیہ ضمیمہ صفحہ ۱۶۸ سے آگے) ہے دَرسراجا مُہیرا۔
(شعر) گفت من آئینہ اُمّ مصقول دست
ترک وہند و در من آں بیند کہ اوست
میں قدرت کا صیقل کردہ آئینہ جمال خداوندی ہوں۔ جو مجھے دیکھے گا اسے اس شیشہ میں اپنی ہی صورت نظر آئے گی۔ ابوجہل نے دیکھا اُسے اپنی صورت نظر آئی۔ اور پیارے صدیق رضہ نے دیکھا اُسے اپنی صورت نظر آئی۔
(باقی صفحہ ۶۱ پر)

بقیہ : ضمیمہ

(صفحہ ۱۶ سے آگے)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ اس حدیث کے مطابق بابا جی آدم علیہ السلام کو پورا پورا حق حاصل تھا کہ وہ خدا کی مثلیت کا اعلان کر دیتے۔ مگر انہوں نے نہیں کیا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے اگر اس قسم کا اعلان کیا تو نبوت و خلافت تو درکنار، ایمان بھی نہیں رہے گا۔ تو اگر آدم علیہ السلام کا صورتِ حق پر پیدا ہونے کے باوجود بھی ایسا اعلان کرنا کفر ہے تو اپنے آپ کو امام الانبیاءؐ کی مثل سمجھنے والوں کی تو صورت بھی جبکہ مکروہ ہے۔ پھر اُن کا اپنی تقریروں اور تحریروں میں ایسا اعلان کرنا کیوں کفر نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مثل کہنے والے ذرا انصاف اور دیانتداری سے سنیں۔ تیرا پیشاب کپڑے پر لگ جائے تو کپڑا ناپاک۔ بدن پر لگ جائے تو بدن ناپاک۔ جہاں تو پیشاب کرے وہاں سے بدبو آنے لگ جائے۔ مگر مثل بنتا ہے اُس سرکارؐ کی کہ جنہوں نے ایک مرتبہ اپنی خادمہ اُمِّ ایمن سے فرمایا۔ اس پیالے میں پیشاب ہے اسے پھینک آؤ۔ اُنہوں نے پیالے کو پکڑا۔ پھینکنے کی بجائے پیشاب کو پی لیا۔ واپس آئیں۔ حضورؐ نے پوچھا۔ پھینک آئیں۔ عرض کیا آقا پیاس لگی ہوئی تھی میں نے پی لیا۔ او نجدیو غور کرو۔ حضورؐ نے یہ نہیں فرمایا۔ کہ ہمارا پیشاب ناپاک ہوتا ہے۔ ناپاک چیز کو کیوں پیا۔ جاؤ منہ کو پاک کرو۔ آئندہ خبردار ایسا نہ کرنا۔ بلکہ آقا مسکرائے۔ اَمَا دَ اللّٰهِ لَا يَسْجَعَنَّكَ بَطْنُكَ

اَبَدًا۔ خدا کی قسم تیرے پیٹ میں کبھی درد نہ ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ ساری زندگی ان کو پیٹ کے درد کی شکایت نہیں ہوئی (دیکھو سیرت حلبیہ ج ۲۔ ص ۵۱۵) اے عاشقان مصطفٰے آؤ سُنو۔ فقیر فیض احمد نقشبندی عرض کرتا ہے۔ کہ حضرت سلمےٰ ام رافعؓ فرماتی ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام نے غسل فرمایا تو میں نے آپؐ کے غسل شریف کا پانی پی لیا۔ اور آقائے دو عالم کو عرض کر دیا۔ تو سرکار ابد قرار مدنی تاجدار صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا۔ اِذْ هَبِی فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ بَدَنَكَ عَلَی النَّارِ۔ جا اللہ تعالیٰ نے تیرے بدن پر آتش دوزخ حرام کر دی۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔ (عینی ج ۱ ص ۷۷۸۔ خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۲۵) آقاؐ کو اپنی مثل سمجھنے والو۔ تم بھی غسل کر کے اور کسی کو نہ سہی اپنے گھر والوں کو ہی اپنے غسل والا پانی پلا کر کہو۔ جاؤ تم پر دوزخ کی آگ حرام ہے۔ لیکن تم ہرگز یہ نہیں کہہ سکتے۔ آیئے ایک اور ایمان افروز واقعہ سُنیئے۔ جنگ اُحد میں حضرت مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضورؐ کے جسد پاک سے نکلے ہوئے خون کو پی لیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو اطلاع ہوئی تو فرمایا۔ مَنْ سَرَّهُ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰی مَنْ لَّا تَمَسَّهُ النَّارُ فَلْيَنْظُرْ اِلٰی مَالِكِ بْنِ سَنَانْ۔ جو کسی ایسے کو دیکھنا چاہے جسے جہنّم کی آگ نہیں جلا سکتی۔ وہ مالک بن سنان کو دیکھ لے۔ (سیرت حلبیہ ج ۲ ص ۵۱۵) ان چند واقعات سے ثابت ہُوا۔ کہ حضور علیہ السلام کے فضلات شریفہ مثلاً۔ بول و براز خون وغیرہ اُمت کے لئے طیّب و طاہر اور اُن کا استعمال اُمتی کے لئے باعث برکت

آزادیِ جہنم کا سبب، دواءِ دفعِ بلیات و مصائب ہے۔ آیئے حدیثِ پاک کی روشنی میں دیکھیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رفیع کیا ہے؟ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَ عَنْ اَنَسٍ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنِ الْوِصَالِ قَالُوْا اِنَّكَ تُوَاصِلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنِّیْ لَسْتُ كَهَیْئَتِكُمْ وَ اَیُّكُمْ مِثْلِیْ وَ اِنِّیْ لَسْتُ مِثْلَكُمْ وَ اِنِّیْ لَسْتُ كَاَحَدٍ مِّنْكُمْ ط

(حوالہ) بخاری شریف۔ ج ۱ صفحہ ۲۶۲۔ مسلم شریف ج ۱ صفحہ ۳۵۱۔ مشکوٰۃ شریف ص ۱۳۵۔ ترمذی شریف ج ۱ صفحہ ۹۳۔

ابن عمران حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام نے صحابہ کو وصال کا روزہ (متواتر روزہ) رکھنے سے منع فرمایا۔ تو غلاموں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہمیں تو منع فرماتے ہیں۔ مگر آپؐ خود ایسا کرتے ہیں۔ میرے آقاؐ نے فرمایا۔ کہ میں تمہاری ہیئت پر نہیں ہوں اور میں تمہاری مثل نہیں ہوں۔ اور تم میں سے میری مثل کون ہے۔ (یعنی کوئی نہیں) مذکورہ حدیث پر یقین رکھنے والا مسلمان اور نبی کریم علیہ السلام کو پھر بھی اپنی مثل بشر سمجھتا ہے۔ تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا۔ کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) جھوٹا بھی مانتا ہے۔ مگر وہ بے دین لوگ جو اللہ تعالیٰ کے لئے امکان کذب کے قائل ہیں۔ ان کے لئے حضور علیہ السلام کو کاذب مان لینا کونسی

بڑی بات ہے۔ بزرگو اور دوستو اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق فرمایا۔ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْئٌ۔ اور مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَیُّکُمْ مِّثْلِیْ۔ وہ کہتا ہے۔ میں بے مثل ہوں۔ یہ فرماتے ہیں۔ میں بے مثل ہوں۔ میرے بھائی ان دونوں میں ہم اہلسنت والجماعت کے نزدیک کوئی بھی جھوٹا نہیں۔ وہ بھی سچا یہ بھی سچا۔ وہ اپنی خدائی میں بے مثل اور یہ اپنی مصطفائی میں بے مثل۔

شعر۔ محبوبؐ خدا کا کوئی ہم پایہ نہیں ہے
اس شان کا مُرسل کوئی آیا نہیں ہے
بے مثل نے محبوبؐ بھی بے مثل بنایا
واں جسم نہیں تو یہاں سایہ نہیں ہے

اصل میں بات یہ ہے کہ تاجدار مدینہ سرور سینہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مثل سمجھنے والوں کے دلوں پر نفاق کی مہریں لگ چکی ہیں۔ اور آنکھوں پر تعصب کے سیاہ پردے پڑ چکے ہیں۔ جن کی وجہ وہ حق بات قبول نہیں کرتے۔ اور اس نمکی والےؐ سراج منیر کے نورِ حق کو دیکھ نہیں سکتے۔ اس حقیقت کو عارف رومی نے اپنے عارفانہ انداز میں بیان کیا ہے۔ جگہ کی قلت کے پیش نظر ترجمہ پر اکتفا کرتا ہوں۔

لیلیٰ اور مجنوں کے عشق ومحبت کے داستان مشہور ہوئی تو خلیفہ وقت نے لیلیٰ کو دربار میں بلایا اور کہا کہ تو ہی وہ لیلےٰ ہے جس کی محبت میں شہزادہ قیس اپنی عقل وہوش گنوا بیٹھا۔ حالانکہ دوسری عورتوں سے تو کوئی زیادہ حسین تو نہیں ہے۔ لیلیٰ بولی کہ بیشک میں

دوسری عورتوں سے حسین تو نہیں ہوں لیکن تیری بھی آنکھیں مجنوں کی نہیں ہیں۔ شعر:۔

دیدۂ مجنوں اگر بودے ترا ❊ ہر دو عالم بے خطر بودے ترا

کیونکہ اگر تو مجنوں کی آنکھ سے مجھے دیکھتا۔ تو پھر اس دنیا میں تجھے لیلےٰ کے سوا کوئی اور حسین نظر نہ آتا۔ تو میرے بھائی اگر صورت لیلےٰ کو دیکھنے کے لئے مجنوں کی آنکھ کی ضرورت ہے۔ تو حسن مصطفےٰ ؐ اور جمال مصطفےٰ ؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کے لئے صدیق اکبر رضؓ کی آنکھ کی ضرورت ہے۔ عارف رومی رحؒ فرماتے ہیں۔ کہ ایک دن حضور علیہ السلام مکہ مکرمہ کی پاک و مقدس سرزمین میں جا رہے تھے۔ (ترجمہ) کہ ابوجہل لعؔ نے حضورؐ کو دیکھا۔ دیکھ کر کہنے لگا۔ کہ میں نے بنی ہاشم میں تجھ سے زیادہ (نعوذ باللہ) بدصورت شخص کوئی نہیں دیکھا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ صَدَقْتَ تو نے سچ کہا۔ میرے آقاؐ آگے گئے۔ تو غلام جاں نثار، یار غار نے اور صاحب مزار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کملی والے کو دیکھا۔ گویا کہ عشق نے حسن کو دیکھا۔ طالب نے مطلوب کو دیکھا۔ عاشق نے محبوب کو دیکھا۔ پیاسے نے ساقیٔ کوثر کو دیکھا۔ بلبل نے گلشن نبوت کو دیکھا اور پروانے نے شمع رسالت کو دیکھا۔ وہ مجسمۂ ایمان تھا اور یہ جلوۂ رحمان تھا۔ وہ صاحب صدق و صفا تھا اور یہ حبیب کبریا تھا۔ وہ حضرت صدیق رضؓ تھا اور یہ امت کا شفیق تھا بس پھر کیا تھا جلوۂ حسن یار کو دیکھ کر کیف و مستی کے عالم میں پکار اٹھے:۔

(شعر) تمہارے حسن کا کونین میں جواب نہیں
غروب ہوتا کبھی بھی یہ آفتاب نہیں

(باقی صفحہ ۱۱۷)